

## اندلس کا رازی خانوادہ مؤرخین

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ بڑی دلچسپ اور عبرت آموز ہے۔ یہ جتنی دلچسپ اور عبرت آموز ہمارے لئے ہے اتنی ہی غیروں کے لئے بھی۔ سب حیران ہیں کہ ایک ایسی عظیم قوم جس نے اپنے اصلی وطن سے ہزاروں میل دور سمندر پار ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی جس کی سیاسی، ثقافتی اور علمی روایات انسانی تاریخ کا ایک قابل فخر کارنامہ ہیں، ایک ایسی سلطنت جس کی سیاسی ہیبت اور فوجی قوت و برتری سے ایک عالم لرزہ بر اندام تھا اور جس کی اندرونی خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ بقول ڈوزی اسلامی اندلس کی خوشحال قوم کا ہر فرد لکھنا پڑھنا جانتا تھا، (قرون وسطیٰ کی کسی قوم کے بارے میں کسی جانبدار مؤرخ کی یہ رائے بڑا وزن رکھتی ہے، اسی ایک بات سے اسلامی اندلس کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے) تعجب ہے کہ اتنی عظیم قوم اس خطہ ارضی سے یوں محو ہو گئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں اور آج اگر اس خطے میں اس کی عظمت رفتہ کے شواہد و آثار موجود نہ ہوتے تو دنیا اسے من گھڑت افسانہ سمجھتی۔ اسلام کی تاریخ میں اور کوئی ایسا خطہ نظر نہیں آتا جہاں مسلمانوں کا نام و نشان تک باقی نہ ہو۔ یہ تو ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت اور اقتدار ختم ہو گیا مگر جہاں جہاں مسلمان گئے اور سلطنتیں قائم کیں،

وہاں آج تک مسلمان موجود ہیں۔ اسلامی اندلس ایک منفرد مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اندلس کی تاریخ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی عبرت آموز بھی ہے۔

باوجود اس کے کہ اندلس کے مسلمانوں نے آٹھ صدیوں کے دوران علوم و معارف کے جو ذخائر جمع کئے تھے ہسپانیہ کے متعصب عیسائیوں نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا، لیکن ان کی دست برد سے جو کچھ بچ گیا وہ بھی ایک قابل فخر سرمایہ سے کسی طرح کم نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ کے بارے میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد کافی موجود ہے۔ اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ کو محفوظ کرنے کی شاندار روایت قائم کرنے کا سہرا اسلامی اندلس کے سب سے پہلے مؤرخ محمد بن موسیٰ الکنانی الرازی اور اس کی اولاد کے سر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خانوادہ مؤرخین کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں آنے والے تمام اندلسی مؤرخ جغرافیہ دان اسی خاندان کے خوشہ چیں ہیں اور ان کو سب نے اپنا مرجع و رہنما تسلیم کیا ہے۔ ہم اس خانوادہ مؤرخین کی علمی خدمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں :

### محمد الرازی

اندلسی مؤرخین کے اس خاندان میں مسلسل تین پشتوں تک یکے بعد دیگرے ایسے صاحب علم و فضل تاریخ نگار پیدا ہوتے رہے جن کی تصانیف اور جمع کردہ معلومات بعد کے مؤرخین کے لئے بنیادی مواد کا کام دیتی رہیں۔ باپ بیٹے اور پوتے نے فتح اسلامی سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے آخر تک کی ابتدائی تاریخ کو بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

مؤرخین کے اس خاندان کا جد امجد اور اسلامی اندلس کا سب سے پہلا مؤرخ محمد بن موسیٰ بن بشیر بن جناد بن لقیط الکنانی الرازی خالص عرب خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو عہد اسلام میں ایران کے مشہور شہر „ری“ میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ فتح کے موقع پر اسلامی لشکر کے جو دستے مختلف جھنڈے اٹھائے اندلس میں داخل ہوئے تھے ان میں بنو کنانہ کے لوگ بھی بڑی تعداد میں شامل تھے اور انہوں نے اندلس میں اپنی مستقل بستیاں آباد کر لی تھیں۔ انہی بستیوں میں سے ایک بستی „وقش“ تھی (۱) جس نے کنانی خاندان کے بڑے بڑے فضلاء اور اعیان کو جنم دیا۔ ان میں امام ابو الولید ہشام بن احمد الوقشی، ان کا بھتیجا ابو جعفر احمد بن عبدالرحمن الوقشی اور مشہور سیاح ابن جبیر کے نام بہت ممتاز حیثیت (۲) رکھتے ہیں (ابن جبیر ابو جعفر الوقشی کا داماد بھی تھا) ایک تو قبیلے کے لوگوں کی کشش نے دوسرے اندلس کے اموی حکمرانوں کی علم دوستی نے محمد الرازی کو دیار اندلس سے رغبت اور دلچسپی پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط (تقریباً ۲۵۱ ھ / ۸۶۳ء) میں وہ پہلی بار مشرق سے اندلس میں وارد ہوا۔ وہ ایک تاجر تھا اور تجارت کی غرض سے ہی وہ اندلس میں آیا تھا لیکن خدا نے اسے علم و ادب اور خطابت و فصاحت لسانی میں جو اعلیٰ صلاحیت اور بلند مقام (۳) عطا کیا تھا اس کی بدولت نہ صرف یہ کہ اندلس کے علمی و ادبی حلقے اس کے گرویدہ ہو گئے بلکہ اندلس کے اموی حکمران بھی اس کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ اموی شہزادہ محمد اول بن عبدالرحمن (۲۷۳ تا ۲۸۵ ھ / ۸۸۶ تا ۸۸۸ء) اس سے بہت محبت و احترام سے پیش آتا تھا اور اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ بارہا اس نے محمد الرازی کو

سلاطین مشرق کے علاوہ اندلس کے بعض حکمرانوں کے ہاں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ محمد اول کا بیٹا شہزادہ المنذر بھی اس کا بے حد احترام کرتا اور ہمیشہ اس پر اعتماد کرتا تھا۔ ربیع الآخر ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں اسی شہزادہ المنذر کی سفارت کے سلسلے میں البیر سے واپس آتے ہوئے رازی کا انتقال ہوا (۴)۔

محمد الرازی جب اندلس میں وارد ہوا تو قرطبہ اور دیگر علمی مراکز پر مشہور اندلسی عالم، محدث، فقیہ اور مؤرخ عبدالملک بن حبیب السلمی کے شاگرد چھائے ہوئے تھے۔ رازی کو چونکہ تجارت و سیاحت سے دلچسپی تھی اس لئے قدرتی طور پر اس نے اندلس کے جغرافیائی اور تاریخی حالات کے علاوہ اس کی فتح کے واقعات میں گہری دلچسپی لی۔ اندلس میں موسیٰ بن نصیر کے داخلے سے لے کر واپسی تک کے وہ تمام واقعات بڑی محنت سے مرتب کئے جو اس نے ابن حبیب السلمی کی روایت میں اس کے شاگردوں سے سنے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس نے عسکر اسلام کے ان دستوں کے اندلس میں داخلے، نقل و حرکت، اقامت اور فاتحانہ پیش قدمی کی تفصیلات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا تھا جو موسیٰ کے ساتھ فتح اندلس میں شریک تھے، رازی کے بیان کے مطابق جب موسیٰ بن نصیر اندلس میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ بیس سے زائد رایات (رایات کا واحد رایۃ ہے جس کے معنی ہیں جھنڈا) تھے جن میں سے دو موسیٰ بن نصیر کے اپنے تھے، ان میں سے ایک انھیں عبدالملک بن مروان نے اور دوسرا اس کے بیٹے ولید نے عطا کیا تھا، تیسرا عسکری علم موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کا تھا جو اندلس کا پہلا گورنر مقرر ہوا تھا (۵)۔

رازی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کا اسلامی لشکر بحری جہاز سے اتر کر اندلس میں داخل ہوتے وقت جبل قرده کے دامن سے

گزا۔ یہ پہاڑ بعد میں مرسی موسیٰ ( یعنی موسیٰ بن نصیر کے لنگر انداز ہونے کی جگہ ) کے نام سے مشہور ہوا ، اسلامی لشکر نے جزیرہ خضراء میں باہم صلاح و مشورہ کیا اور پھر اشبیلیہ کی طرف بڑھنے اور اشبونہ تک باقی ماندہ مغربی اندلس کو فتح کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جس جگہ یہ مشورہ ہوا تھا وہاں موسیٰ بن نصیر نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جو مسجد الرايات کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مناسبت سے رازی نے اپنی تصنیف کا نام کتاب الرايات رکھا (۶)۔

افسوس کہ جس کتاب کے ذریعے رازی نے اسلامی اندلس کا اولین مؤرخ ہونے کا شرف حاصل کیا وہ گردش زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکی اور ضائع ہو گئی لیکن خوش قسمتی سے اس کتاب کا مکمل مواد اور بعض طویل اقتباسات دو کتابوں میں محفوظ کر لئے گئے ہیں ، ان میں سے ایک کتاب تو الرسالة الشریفیة الی الاقطار الاندلسیة ہے ، اس کتاب کا مصنف تو معلوم نہیں لیکن اس کے مواد کی اکثر روایت ابن حبیب السلمی سے منسوب ہے جس نے یہ سب واقعات موسیٰ بن نصیر کے ساتھی اور مشہور تابعی حضرت علی بن رباح سے براہ راست سنے تھے اور بعض روایات ایک شخص محمد ابن مزین سے منسوب ہیں جو یہ بیان کرتا ہے کہ ۲۷۱ھ میں اسے اشبیلیہ کے ایک کتب خانے میں محمد بن موسیٰ الرازی کی کتاب الرايات ملی تھی۔ ابن مزین نے کتاب الرايات کے مواد کو بعض اوقات اپنے الفاظ میں اور بعض اوقات طویل اقتباسات کی شکل میں نقل کیا ہے۔ دوسری کتاب جس میں رازی کی اس کتاب کا مواد اور اقتباسات موجود ہیں ، محمد الغسانی کی کتاب „رحلة الوزير فی افتکاک الاسیر“ ہے۔ یہ محمد الغسانی مراکش کا وزیر تھا اور اس نے ۱۱۰۲ھ ( ۱۶۹۱ء ) میں سفیر کی حیثیت سے اندلس کا سفر کیا تھا ، یہ دونوں کتابیں چھپ چکی ہیں اور دستیاب ہیں۔

رازی نے اپنی اس کتاب میں فتح اندلس کے مفصل واقعات کے علاوہ موسیٰ بن نصیر کی ان تدابیر کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو انہوں نے فتح کے بعد نظم و نسق کی خاطر اندلس کی صوبائی تقسیم کے سلسلے میں اختیار کی تھیں ، ان صوبوں کے پہلے سربراہوں کے نام بھی دیئے ہیں ۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ رازی نے موسیٰ بن نصیر کے دفاع میں بہت زور صرف کیا ہے ۔ وہ جہاں سلیمان بن عبدالملک کو خطا کار ٹھہراتا ہے وہاں موسیٰ کو بیگناہ ، ایک قابل اور دیانت دار جرنیل ثابت کرتا ہے ۔ اور بتاتا ہے کہ اس عظیم سپہ سالار اور سچے مسلمان تابعی پر جو الزامات عائد کئے جاتے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں ۔

### احمد الرازی

اندلسی مؤرخین کے اس رازی خاندان میں ابو بکر احمد بن محمد بن موسیٰ بن جناد بن لقیط الداری الکنانی الرازی ممتاز حیثیت رکھتا ہے ، تاریخ ، ادب ، شعر و شاعری اور قوت حفظ و ضبط میں اپنی مثال آپ تھا ۔ اس کے باپ محمد الرازی نے اسلامی اندلس کی تاریخ کو جہاں چھوڑا تھا اس نے وہاں سے اسے آگے بڑھایا اور اس میں قیمتی اضافے کئے ۔ احمد نے تاریخ مرتب کرتے وقت ان مآخذ کو بھی استعمال کیا جو اس کے والد کی رسائی سے باہر تھے ۔ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ احمد الرازی نے تاریخ کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں کیونکہ اس کے نام کے ساتھ ،، احمد التاریخی یا احمد صاحب التواریخ ،، کے الفاظ ملتے ہیں ۔ (۷)

ابن الفرزی کے قول کے مطابق احمد الرازی ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۳ھ کو اندلس میں پیدا ہوا (۸) ۔ بعد کے تمام مؤرخ اور تذکرہ نگار

اسی قول پر اعتماد کرتے ہوئے یہی تاریخ پیدائش لکھتے ہیں لیکن اگر یہ قول درست مان لیا جائے تو پھر ایک مشکل پیدا ہو جاتی ہے جس کی طرف کسی تذکرہ نگار کا خیال نہیں گیا، اور وہ یہ کہ اس طرح باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے درمیان تقریباً دو سال کا فاصلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احمد الرازی کی پیدائش اور اس کے باپ محمد الرازی کی وفات کے درمیان جو یہ اتنا طویل وقفہ ہے اس کی نہ تو آج تک نشاندہی کی گئی اور نہ اس کا کوئی واضح سبب بیان کیا گیا۔ ہمارے تذکرہ نگار اور مؤرخ چھان بین سے کام لے بغیر یونہی نقل در نقل کرتے چلے گئے ہیں۔

ابن الاباز نے باپ یعنی محمد الرازی کی تاریخ وفات ربیع الثانی ۲۴۳ھ (۸۸۶ء) لکھی ہے۔ بعد میں المقری، خیر الدین زرکلی، عمر رضا کحالیہ اور فاضل مستشرق لیوی پروفنسالی نے اسی پر اعتماد کیا ہے (۹)۔ ابن الفرزی نے بیٹے یعنی احمد الرازی کی جو تاریخ پیدائش (۱۰ ذوالحجہ ۲۴۳ھ) لکھی ہے اسے یاقوت الحموی، سیوطی، زرکلی، کحالیہ اور لیوی نے صحیح سمجھتے ہوئے نقل کر دیا ہے (۱۰) لیکن سوچنے کی بات ہے کہ یہ بعد کیسے پیدا ہو گیا۔ باپ جب ربیع الثانی ۲۴۳ھ مطابق ستمبر ۸۸۶ء میں فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا پورے اکیس بائیس ماہ بعد ۱۰ ذوالحجہ ۲۴۳ھ (۲۶ - اپریل ۸۸۸ء) کو کس طرح پیدا ہوا؟ اگر یہ تاخیر غیر معمولی مدت حمل کے باعث تھی تو اس کی نشاندہی ضروری تھی۔ ورنہ کہا جائے گا کہ یہ سطحیت و برہنہ نیازی یا نسبو کتابت کا کرشمہ ہو گا۔ متقدمین کو تو اس سلسلے میں معذور سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ ان میں سے جس کسی نے باپ کا ذکر کیا اس نے بیٹے کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ بعض نے باپ کا تذکرہ کیا ہے اور بعض نے صرف بیٹے کے حالات

قلمبند کئے ہیں۔ مگر متأخرین میں سے جدید عرب دنیا کے دو فاضل تذکرہ نگار خیر الدین زرکلی صاحب الاعلام اور عمر رضا کحالیہ صاحب معجم المؤلفین کسی طرح بھی معذور نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے تذکروں میں باپ بیٹے دونوں کا ذکر کیا ہے اور باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے اس فاصلے پر توجہ نہیں دی۔ سب سے زیادہ قابل رحم حالت مشہور مستشرق مسٹر لیوی کی ہے جس نے باپ اور بیٹے کا تذکرہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے ایک ہی مقالے میں کیا ہے اور ایک ہی سانس میں باپ کی وفات ربیع الثانی ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) بتائی اور پھر ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۳ھ (۲۶ - اپریل ۸۸۸ء) بیٹے کی تاریخ پیدائش لکھدی، مگر اس نے یہ نہ بتایا (یا اس کی سمجھ میں نہ آیا) کہ یہ پونے دو سال کا فاصلہ کیا معنی رکھتا ہے۔

بہر حال ابن الابرار یا ابن الفرضی میں سے کسی ایک کا بیان یقیناً غلط ہے اور اسے مسترد کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ابن الفرضی کا بیان درست ہے اور ابن الابرار کا بیان یا تو کسی غلط روایت کی پیداوار ہے اور یا نقل نویسی کا کرشمہ ہے، ۴ کا ہندسہ ۳ سے بدل گیا، ورنہ باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش ۲۷۳ھ ہی ہے۔ (۱۱)

احمد الرازی کا باپ اندلس کے بادشاہوں کے ہاں بڑا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس نے محمد بن عبدالرحمن اموی اور اس کے بیٹے المنذر کی سفارتی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک فصیح البیان عالم و فاضل اور نامور مؤرخ کی حیثیت سے اس نے اندلس کے علمی و ادبی حلقوں سے خراج تحسین بھی وصول کیا تھا۔ چنانچہ جب بیٹا بڑا ہوا تو نہ صرف اسے شاہی درباروں میں رسائی



حاصل ہوئی بلکہ باپ کی طرح وہ بھی اہل علم کی توقعات پر پورا اترتا اور بہت جلد ایک ممتاز مؤرخ کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی۔

احمد الرازی نے جب آنکھ کھولی تو قرطبہ اہل علم و فضل کا گہوارہ اور ایک مضبوط علمی و ثقافتی مرکز بن چکا تھا (۱۱۲) جہاں بلاد مشرق سے آنے والے اہل علم اپنے علوم و معارف کے موتی بکھیر رہے تھے اور اندلس سے جانے والے طالبان علم و دانش واپس آ کر تدریس و تالیف میں مشغول تھے۔ اس کے علاوہ اندلس کے اموی حکمرانوں کی علم پروری اور کتاب دوستی کے باعث بلاد مشرق کی معیاری کتابوں کے نفیس نسخوں کے انبار لگ رہے تھے اور بہت جلد وہ وقت آنے والا تھا جب اندلس کا ہر گھر کتب خانہ اور وہاں کا ہر باشندہ پڑھنے لکھنے کے قابل بننے والا تھا۔ احمد الرازی نے اپنے باپ کے فن کو اپنانے کا فیصلہ کیا اور فضلائے وقت سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے ذخائر سے استفادہ بھی کیا۔

احمد الرازی نے قرطبہ کے جن مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ ابو عمر احمد بن خالد المعروف بابن الحباب (۱۳) القرطبی (متوفی ۳۲۲ھ) اور مشہور محدث، ادیب اور مؤرخ ابو محمد قاسم بن اصبح البیانی (۱۴) (متوفی ۳۳۲ھ) اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ البیانی ان لوگوں میں سے ہے جو اندلس سے چل کر مشرق کے بلاد اسلامیہ میں سب سے پہلے وارد ہوئے تاکہ عربی و اسلامی علوم کے سرچشموں سے براہ راست سیراب ہو سکیں۔ اس نے مشرق کے جن علماء سے استفادہ کیا ان میں محمد بن اسماعیل ترمذی اور ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الباہلی بھی شامل ہیں۔

احمد الرازی نے اندلس اور اہل اندلس کے بارے میں کئی ایک قابل قدر کتب تاریخ مرتب کی تھیں۔ اس کا باپ ایک تو مشرقی نو

وارد ہونے کے باعث اور دوسرے صرف ایک کتاب الرایات کے نام سے مختصر سی کتاب لکھنے کے سبب وہ شہرت و عزت حاصل نہ کر سکا تھا جو اس کے بیٹے کو نصیب ہوئی۔ اپنے باپ کے برعکس وہ پیدائشی طور پر اندلسی تھا اور اندلس والے بجا طور پر اسے اپنا سب سے پہلا مؤرخ خیال کرتے تھے۔ ابو محمد عبد اللہ بن فتوح الحمیدی (متوفی ۴۸۸ ھ) کا بیان (۱۵) ہے کہ احمد الرازی نے تین عظیم الشان کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان میں سے ایک „تاریخ الاندلس“ ہے جس میں اس نے فتح اندلس سے لیکر اپنے عہد تک کی مفصل و مکمل تاریخ جمع کی۔ اس کتاب میں اس نے اپنے باپ کی کتاب الرایات کا مواد بھی شامل کر دیا اور اس کے علاوہ دوسرے زبانی اور تحریری مصادر سے بھی استفادہ کیا۔ احمد الرازی کی یہ کتاب اتنی مفصل اور جامع تھی کہ بعد میں آنے والے ہر مورخ اور تذکرہ نگار نے اس سے استفادہ کیا اور جگہ جگہ اس کے اقتباسات اپنی تصانیف میں نقل کئے ہیں۔

دوسری کتاب „صفة قرطبة“ یعنی قرطبہ کا تاریخی جغرافیہ ہے۔ اس کتاب میں قرطبہ شہر کی تاریخ، جغرافیہ اور شہر کے عظماء و اعیان کا مبسوط تذکرہ بھی شامل تھا۔ احمد الرازی نے یہ کتاب مرتب کرتے وقت احمد بن ابی طاہر بغدادی کی کتاب „اخبار بغداد“ کو سامنے رکھا تھا۔ رازی کی تیسری اہم تصنیف „انساب مشاہیر اہل الاندلس“ ہے جس میں اہل اندلس کے انساب بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے۔ یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ اندلس میں ظاہری مذہب کے امام اور مشہور عالم انساب ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے اپنی کتاب جمہرة انساب العرب کی تدوین و ترتیب میں اس سے بڑی مدد لی۔ الحمیدی (۱۶)

نے خود ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر اور مفصل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی .

یاقوت الحموی (۱۷) نے اس کی تین اور کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ کتاب التاریخ الاوسط ، کتاب التاریخ الاصغر اور کتاب مشاہیر اہل الاندلس۔ مؤخر الذکر کتاب کے بارے میں یاقوت کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک عمدہ تصنیف تھی اور پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب دراصل انساب مشاہیر اہل الاندلس ہی ہو، جسے یاقوت نے کتاب مشاہیر اہل الاندلس کے نام سے ذکر کیا ہے۔

المقری (۱۸) احمد الرازی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نے اندلس کی تاریخ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان میں سے اکثر المقری کی نظر سے گزریں اور نفع الطیب کی ترتیب میں اس نے ان سب سے استفادہ کیا۔ وہ احمد الرازی کی تین کتابوں کا بطور خاص ذکر کرتا ہے۔ (۱) اخبار عمر بن حفصون ، (۲) اخبار عبدالرحمن بن مروان الجلیقی (۳) اخبار بنی قسی۔ المقری (۱۹) ابن الابار کے حوالے سے الرازی کی ایک کتاب جغرافیہ کا بھی ذکر کرتا ہے جس میں اس نے اندلس کے جغرافیائی حالات کی تفصیل قلمبند کی ہے۔ اصل کتاب تو ضائع ہو چکی ہے لیکن اس کے قسطیلی اور پرتگیزی تراجم محفوظ ہیں۔ پروفیسر لیوی پروفنسال کا بیان ہے کہ یہ کتاب عبدالرحمن الناصر کے عہد کے اندلس کے بارے میں جغرافیائی معلومات کے علاوہ سیاسی و معاشرتی معلومات بھی مہیا کرتی ہے۔ موصوف کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت نے معجم البلدان میں رازی کی اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔ صحیح ترین قول کے مطابق احمد الرازی کی وفات ۱۲۔ رجب

## عیسی بن احمد الرازی

رازی خانوادہ مؤرخین کا آخری چشم و چراغ عیسی بن احمد بن محمد الرازی بھی اپنے باپ اور دادا کی طرح ایک ممتاز فاضل اور نامور مؤرخ تھا۔ اسلامی اندلس کی تاریخ کا کام جہاں اس کے باپ نے چھوڑا تھا عیسی نے اسے آگے بڑھایا تاریخ اندلس کے جو گوشے اس کے باپ سے پوشیدہ یا نامکمل رہ گئے تھے انہیں مکمل کیا اور اپنے عہد تک کی سیاسی و علمی تاریخ مرتب کی۔ تاریخ کے جن مآخذ تک باپ کی رسائی نہ ہو سکی تھی اس نے ان سے بھی پورا پورا استفادہ کیا۔ بعد میں آنے والے مؤرخین مثلاً ابو مروان ابن حیان، ابن الابر القضاعی اور احمد المقری کی کتب تاریخ عیسی الرازی کے اقتباسات اور تاریخی مواد سے بھری پڑی ہیں۔ عیسی نے تاریخ کے جن متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ان کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس میدان میں اپنے باپ اور دادا سے کسی طرح کم نہ تھا۔ (۲۰)

ابن عبدالملک المراكشى نے اپنی کتاب میں عیسی الرازی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے تاریخ اور علوم متداولہ کی تحصیل زیادہ تر اپنے والد ابوبکر احمد الرازی سے کی تھی۔ وہ خلیفہ الحکم المستنصر اور المنصور بن ابی عامر کے درباروں سے وابستہ رہا۔ اول الذکر کے لٹے اس نے اندلس کی مفصل تاریخ پر ایک کتاب تصنیف کی تھی اور مؤخر الذکر کے نام اپنی دو تصانیف معنون کیں (۲۱)۔

خلیفہ الحکم المستنصر بالله کے لٹے،،تاریخ الاندلس،، کے نام سے جو کتاب عیسی الرازی نے مرتب کی تھی اس میں نہ صرف وہ مواد شامل تھا جو اس کے دادا محمد الرازی کی کتاب الرایات اور اس کے والد احمد الرازی کی کتب تواریخ میں موجود تھا، بلکہ مختلف

مستند مآخذ کی روشنی میں اپنے عہد تک کے تمام تاریخی حوادث و وقائع بھی شامل کر دئے تھے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اندلس کے دو بڑے مؤرخوں نے اسے اپنی تصانیف کی بنیاد بنایا اور جگہ جگہ اس کتاب کے اقتباسات درج کئے ہیں۔ ان میں سے ایک،،المقتبس من انباء اهل الاندلس،، کا مصنف ابو مروان حیان بن خلف بن حیان ہے اور دوسرا احمد المقری ہے۔

المقری نے،،نفع الطیب،، میں عیسیٰ بن احمد الرازی کی کتاب سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان میں سے ایک اقتباس بڑا دلچسپ اور اہم ہے، بلکہ سبق آموز بھی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ اسلامی اندلس کے خلاف نصرانیوں کی پہلی منظم بغاوت صرف چند عہد شکن اوباشوں کی شورش تھی جو آگے چل کر ایک سیل برے اماں کی شکل اختیار کر گئی اور بالآخر اندلس سے ملت اسلامیہ کی مکمل اخراج اور جلاوطنی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اگر اس سے غفلت نہ برتی گئی ہوتی تو اندلس کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ ہوا یوں کہ اشتوریش کے جلیقی عیسائیوں کا ایک سردار قرطبہ میں مسلمانوں کے پاس بطور یرغمال مقیم تھا۔ اس کا نام،،بلای،، یا،،فلای،، تھا وہ اندلس کے گورنر الحربن عبدالرحمن ثقفی کے عہد میں قرطبہ سے بھاگ گیا۔ یہ فتح اندلس کے بعد چھٹے سال یعنی ۹۸ھ کا واقعہ ہے۔ جب عنبسه بن سحیم کلبی اندلس کا گورنر مقرر ہوا تو اس کے عہد میں بلای نے جلیقیہ کے عیسائیوں کو منظم کیا اور اندلس کے غیر مفتوحہ علاقوں کو مسلمانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مسلمان فاتحین اسے لاؤ لشکر سمیت جلیقیہ کی ایک پہاڑی تک دھکیل کر لے گئے۔ اس کے ساتھ صرف تین سو مرد اور عورتیں تھیں۔ ناکہ بندی کے باعث اس کے اکثر ساتھی

بھوکوں مر گئے صرف تیس مرد اور عورتیں باقی بچے جو پانی اور شہد پر گزارہ کر کے زندہ رہے مسلمانوں نے انہیں حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن آگے چل کر یہی تیس آدمی ایک خطرناک قوت بن گئے۔ ۱۳۳ھ میں بلای فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا،، فافلد،، اس کا جانشین مقرر ہوا جو دو سال بعد مر گیا۔ پھر ایک شخص اذفونش بن بیطر جانشین ہوا جس نے آگے چل کر ایک شاہی خاندان کی بنیاد رکھی، اسی خاندان کے بادشاہ کے ہاتھوں غرناطہ کا سقوط اور اندلس سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا اخراج عمل میں آیا (۲۲)۔

حاجب المنصور بن ابی عامر کے لئے عیسیٰ الرازی نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک،، کتاب الوزارة و الوزراء،، اور دوسری،، کتاب الحجاب للخلفاء بالاندلس،،۔ ان دو کتابوں میں اس نے اپنے عہد تک کے ان علماء فضلاء، ادباء اور شعراء کا تذکرہ کیا ہے جو اندلس کے مختلف بادشاہوں کے عہد میں وزیر یا حاجب مقرر ہوتے رہے (۲۳)۔ رازی نے ان اہل علم کے سوانح حیات کے ساتھ ساتھ ان کے علمی کمالات اور شعر و نثر کے نمونے بھی درج کئے ہیں۔ یہی دو کتابیں ابن الابار القضاعی کی،، کتاب الحلة السیراء،، کی بنیاد اور محرک ثابت ہوئیں۔ ابن الابار نے جو اقتباسات درج کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ الرازی نے نہ صرف حاجبوں اور وزیروں کے علمی کمالات اور مکتوبات و اشعار کے نمونے دئے تھے بلکہ اندلس کے سلاطین اور خلفاء کے علمی کارناموں اور انتخاب کلام سے اپنی کتاب کو مزین کیا تھا۔ عبدالرحمن بن معاویہ الداخل، جو عباسیوں سے بیچ کر اندلس پہنچ گیا تھا اور جسے عباسی خلیفہ المنصور نے صقر قریش، یعنی،، قریش کا شاہین،، کا لقب دیا تھا، جب سرزمین اندلس کا حکمران بن گیا تو ایک دن کھجور کے ایک الگ تھلگ اور

تنہا پودے کو حسرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا ، اندلس میں یہ پودا بھی میری طرح اجنبی ہے جو عرب سے یہاں لایا گیا ہے۔ اس موقع پر عبدالرحمن نے اس پودے کو مخاطب کر کے کچھ شعر کہے تھے ، یہ اشعار پہلے عیسیٰ الرازی نے اپنی کتاب الحجاب للخلفاء بالاندلس میں محفوظ کئے تھے اور پھر اس سے ابن الابار نے اپنی کتاب الحلة السیراء میں نقل کئے ہیں :

یانخل انت غریبة مثلی فی الغرب نائیه عن الاصل  
ترجمہ : اے کھجور! تو بھی میری طرح اجنبی ہے اور دیار مغرب میں  
اپنے وطن اصلی سے دور ہے!

فابکی ، وهل تبکی مکبسة عجماء لم تطبع علی خبل  
ترجمہ : رو اے کھجور! مگر کوئی بندلب ، برزبان ، الجھنوں سے بر  
نیاز کب روتا ہے!

لو انها تبکی اذا لبکت ماء الفرات و منبت النخل  
ترجمہ : اگر وہ روتی تو پھر آب فرات اور نخلستانوں میں بھی ماتم  
برپا ہو جاتا!

لکنها ذھلت و اذھلنی بغض بنی العباس عن اھلی  
ترجمہ : مگر وہ تو اپنے وطن کی یاد کو بھلا چکی ہے اور مجھے بھی  
بنو عباس کے بغض نے اپنے خاندان سے غافل کر دیا ہے۔

عیسیٰ بن احمد الرازی کی وفات ۳۷۹ھ ( ۹۸۳ ع ) میں ہوئی، اندلس کے بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ وہ بنو امیہ کی اندلسی خلافت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد بھی زندہ رہا اور قرطبہ کی خلافت بنو حمود کا زمانہ پایا ، جنہوں نے ملوک الطوائف کے دور میں خلافت کے نام پر اسلامی اندلس کو متحد کرنے کی ناتمام کوشش کی

## حواشی

- (۱) اندلس کا تاریخی جغرافیہ
- (۲) نفع الطیب ، التکملة
- (۳) تاریخ علماء الاندلس ۱۳۰/۱ ، نفع الطیب ۶/۲ ، التکملة ۳۶۶/۱ .
- (۴) الاعلام < ۳۳۴ . معجم المؤلفین ۶۲/۱۲ ، التکملة ۳۶۶/۱ ، نفع الطیب ۶/۲ .
- (۵) الرسالة الشریفیة ص ۱۹۳ ، الاعلام < ۳۳۸ -
- (۶) ایضاً -
- (۷) نفع الطیب ۱۱۸/۲ ، بغیة الملتمس ص ۱۳۰ -
- (۸) تاریخ علماء الاندلس ۳۰/۱
- (۹) نفع الطیب ۲۶/۲ ، الاعلام < ۳۲۸ ، معجم المؤلفین ۶۳/۱۲
- ۱۰ - معجم الادباء ۲۳۳/۳ ، بغیة الرواة ۲۸۵/۱ ، الاعلام ۱۹۹/۱ ، معجم المؤلفین ۱۶۳/۲
- (۱۱) تفصیل کر لئے دیکھئے ماہنامہ ، ترجمان الحدیث ، جولائی ۱۹۷۰ء میں ہمارا مقالہ ، تذکرہ نگاروں کی ستم ظریفیاں ،
- (۱۲) طبقات الامم ص ۷۲ -
- (۱۳) تاریخ علماء الاندلس ۳۱/۱
- ۱۳ - جذوة المقتبس ص ۳۱۱
- (۱۵) جذوة المقتبس ص ۹۷ ، نیز دیکھئے تاریخ علماء الاندلس ۳۱/۱ ، اور بغیة الملتمس ص ۱۳۰
- (۱۶) جذوة المقتبس ص ۹۷ ،
- ۱۷ - معجم الادباء ۲۳۶:۳
- ۱۸ - نفع الطیب ۱۱۸/۲
- ۱۹ - نفع الطیب ۱۱۱:۲ ، تکملة ابن البار ۱: ۱۳۰
- ۲۰ - دائرہ معارف اسلامی مقالہ ،، الرازی، ۳۹۷/۵ -
- ۲۱ - الذیل والتکملة ۳۹۱/۵
- ۲۲ - نفع الطیب ۶۷۲/۲
- ۲۳ - الذیل والتکملة ۳۹۱/۵



## اندلس کا عہد ملوک الطوائف

ڈاکٹر امین اللہ وثیر

### سیاسی حالات

مسلم اندلس کی وہ شاندار سلطنت جسے عبدالرحمن الثالث نے اپنی قوت بازو اور جرأت و ہمت سے پروان چڑھایا تھا۔ ۱۰۳۱ء میں بہت سے مختلف ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی اور تقریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے جنم لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اندلس میں بنو امیہ اور بنو حمود کے بعد سلطنت کمزور پڑ گئی تو ہر جانب سے موالی، وزراء، عرب سردار نیز چھوٹی چھوٹی بربر افسرانہ کھڑے ہوئے اور ہر ایک نے اپنی بادشاہت اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح سلطنت کا کاروبار مختلف گروہوں اور طبقوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ان سرداروں اور قبائل کے سرگروہوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے۔ اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے خود بخود کمزور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو خراج ادا کیا۔ بالآخر یوسف بن تاشفین مراکش سے آیا اور اس نے غیر مسلم قوتوں کو اندلس سے دوبارہ نکال باہر کیا۔

بقول پروفیسر حتی :

۱۰۳۱ء میں قرطبہ کی اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا، اس کے کھنڈروں سے چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کا ایک جھرمٹ پیدا ہوا جنہوں نے ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کر اپنی

طاقت کھو دی - اس قسم کی بیس چھوٹی چھوٹی عارضی ریاستیں قائم ہو گئیں، (۱) -

ان ریاستوں میں سے بعض اتنی بے طاقت اور کمزور تھیں کہ دوسرے ہمسائیوں نے انہیں ہڑپ کر لیا اور وہ اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ یہی بے چینی اور اضطراب کا زمانہ تاریخ اندلس میں،، عصر ملوک الطوائف،، کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ بے اطمینانی اور خانہ جنگی کی یہ حالت تقریباً ستر سال تک قائم رہی۔

اس طوائف الملوک کی میں سب سے اہم اور مضبوط قرطبہ کی حکومت بنی جہور اور اشبیلیہ کی حکومت بنی عباد تھیں۔ ان کے علاوہ طلیطلہ اور سرقسطہ کے بنو ذی النون اور بنو ہود، بطلیوس کے بنو الافطس اور غرناطہ کی حکومت بنی زیری بھی خاصی شہرت کی مالک تھیں۔ بقول نکلسن،، اندلس کی یہ حالت بعینہ پندرہویں صدی عیسوی کے اٹلی سے مشابہ تھی،، اگر غور کیا جائے تو نکلسن کی یہ تشبیہ اندلس کے اس عہد کی صحیح صورت حال کا مکمل نقشہ پیش کرتی ہے (۲) -

،،ملوک الطوائف،، کے درمیان ہمیشہ سیاسی اور ملکی جھگڑے برپا رہے۔ اکثر جدال و قتال تک بھی نوبت پہنچ جاتی۔ لیکن یہ لوگ اس عظیم خانہ جنگی کی تباہ کاریوں اور برے نتائج کی ہولناکیوں سے قطعاً بے پروا اور بے خبر تھے یہاں تک کہ شمال کے نصاریٰ نے ان کی اس بد حالی سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اپنی بکھری ہوئی صفوں کو درست کیا۔ اپنی ضائع شدہ قوت کو مجتمع کیا اور پھر مسلمانوں کے شہروں، قصبوں، قلعوں اور سرحدوں پر یلغار کر دی اور حالت یہ ہو گئی کہ :

،،ان شہروں سے اسلام کا آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ اور شاید

قدرت کو خود بھی یہی منظور تھا۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے دلوں میں کینہ اور بغض و حسد کی آگ بھڑکتی۔ انہوں نے اپنے آپ کو خود اپنے ہی ہاتھوں ہلاک کر ڈالا۔ ایک دوسرے کے خلاف نصاریٰ سے مدد و اعانت چاہی۔ یہاں تک کہ طالب و مطلوب دونوں کے دونوں کمزور پڑ گئے اور اس طرح دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے، « (۳)۔

اس وقت اندلس کے علماء و فقہاء ملک کی اس افسوسناک صورت حال کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ اول یہ کہ وہ اپنی مملکت کو چھوڑ کر ملک بدر ہو جائیں اور عیسائیوں کے غلبے کے لئے راستہ صاف کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اندلس سے باہر کے کسی مسلمان طاقتور حکمران سے مدد طلب کریں۔ علماء اور ارباب دانش نے اس دوسرے طریقے کو زیادہ مناسب اور اقرب الی الصواب جانا۔ امراء دولت نے بھی ان کی تائید کی اور انکی رائے پر صاد کہا، چنانچہ ایک سفارت جو قاضی بطلیوس، قاضی غرناطہ، قاضی قرطبہ اور وزیر اشبیلیہ پر مشتمل تھی امیر المغرب یوسف بن تاشفین کی طرف روانہ کی گئی۔ امیر یوسف اس وقت کے تمام مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور صاحب جرأت و ہمت انسان خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہا اور اندلس کی سر زمین پر جا اتر اور اسی بطل جلیل کی بدولت دوبارہ اسلام اور مسلمانوں کے قدم سر زمین اندلس میں مزید چار سو سال کے لئے جم گئے۔

علمی و ادبی حالات

یہ تو تھی اندلس کی سیاسی پس ماندگی کی حالت گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں۔ لیکن اس عالم انحطاط و تنزل اور

پستی کے باوجود حرکت علمی و ادبی قوی سے قوی تر ہوتی چلی گئی۔ ایک طرف سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور دوسری طرف بزم علم و ادب کی رونق دن بدن دوبالا ہوتی جا رہی تھی۔ اس عہد کو اندلس کے عربی ادب کا سنہرا دور اور زمانہٴ عروج و اقبال تسلیم کیا گیا ہے۔

بیشتر „ملوک الطوائف“ بذات خود، عظیم القدر علماء و فضلاء میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ ان کے دربار مختلف وفود کے لئے منزل مقصود، سخاوت و فیاضی کے سرچشمے، ارباب حاجت کی امیدوں اور تمناؤں کی قبلہ گاہ اور اہل فضل و کمال ادباء و شعراء کی آماجگاہ بنے رہتے تھے (۳)۔ اس سلسلے میں سید امیر علی کے الفاظ بڑے پر شکوہ اور حقیقت کے آئینہ دار ہیں :-

„مالا ثوٹ گئی اور موتی بکھر گئے۔ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے

اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کر لیں لیکن اس پر بھی علم و حکمت کا دیا جلتا رہا۔ علوم و فنون پر زوال آنے کی بجائے

انہیں اور بھی فروغ اور ترقی حاصل ہوئی“ (۵)۔

کہا جاتا ہے: „إِنَّ كُلَّ نِعْمَةٍ فِي طَيْبِهَا نِعْمَةٌ“ بالکل اسی طرح فتن و شرور سے بھرا ہوا یہ دور بھی اندلس کے عربی و اسلامی ادب کے لئے رحمت برپایاں ثابت ہوا۔ اس زمانے میں علماء و فضلاء کا قرطبہ سے بھاگ جانا بھی ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہوا۔ یہ لوگ مملکت کے مختلف چھوٹے اور بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ ان کے علم و فضل کے خزانے لبالب بھرے ہوئے تھے اور ان کے سینوں سے علم وافر کی نہریں جاری تھیں۔ انہوں نے جہاں کہیں بھی نرم مٹی موجود پائی، اور زرخیز زمین دیکھی وہیں علم و ادب کے بیج بو دئے۔ اس سے بڑے لذیذ اور شیریں ثمرات پیدا ہوئے۔ ان اہل دانش کی محنت

بار آور ہوئی اور عوام علوم ریاضیہ و فلسفیہ کی طرف ٹوٹ پڑے۔ صاعد الاندلسی اپنی کتاب طبقات الامم (ص ۶۷) میں لکھتے ہیں :

”جب طوائف الملوک کا زمانہ آیا تو لوگوں نے ان کتابوں میں جو قرطبہ سے مختلف شہروں اور اطراف و جوانب منتقل کی گئی تھیں ، بے شمار مفید اور قابل قدر خزانے مدفون پائے ، ہر صاحب علم کے سینے میں جتنا کچھ اور جو کچھ علم موجود تھا۔ یکا یک باہر ابل پڑا اور علوم قدیمہ کی طلب و جستجو میں دن بدن رغبت بڑھنے لگی۔ الحمد للہ! آج کی حالت اندلس کی گذشتہ حالت اعراض عن العلم سے بدرجہا بہتر ہے۔“

اس عصر الملوک میں جو بذات خود مختلف قسم کی سیاسی اور اجتماعی برائیاں اپنے اندر رکھتا تھا۔ سب سے بڑا کارنامہ ، بیش بہا وصف اور اہم کام۔ یہ ظہور پذیر ہوا کہ عام لوگوں میں بھی غور و فکر ، تحقیق و تدبیر ، تجسس و تفحص اور طلب و جستجو کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ ابو الولید الشقندی کا کہنا ہے :-

”جب یہ عالی درجے کا نظام سیاسی تار تار ہو گیا ، بکھر کر رہ گیا اور یہ عظیم سلطنت مختلف ٹکڑوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تو اس تفریق سلطنت میں بھی ایک بڑی نعمت پوشیدہ نکلی یعنی علماء و فضلاء اور ارباب علم و دانش کا وجود گویا علوم و فنون کا بازار گرم ہو گیا ، لوگ نظم و نثر میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے اور بازی جیت جانے کی کوششوں میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں بادشاہوں اور امراء و رؤساء کے اتنے پر شکوہ اور عظیم الشان قصائد لکھے گئے کہ اگر اسی خوبصورت انداز اور اسلوب حسین میں تار و تاریک رات کی بھی وصف نگاری کی جاتی تو وہ تابناک سورج والے دن سے بھی زیادہ روشن ہو جاتی “ (۶)۔

پھر ان عظیم المرتبت ہستیوں، علماء و فضلاء، میں سب سے بڑی صفت اور جذبہ خیر و صلاح یہ تھا کہ ان کی اکثریت، ریاکاری اور ظاہر پسندی سے بڑی متنفر تھی۔ یہ لوگ غلط سلط تعریف و تمجید اور بے جا مدح و ثناء کو ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ابو غالب اللغوی نے ایک کتاب تصنیف کی۔ ملک دانیہ مجاہد العامری نے اسے ایک ہزار دینار کی پیشکش کی لیکن شرط یہ لگائی کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون کی جائے، ابو غالب اس بات پر راضی نہ ہوا۔ اس نے اس گراں قدر عطیے کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ کتاب جسے میں نے عوام الناس کے فائدہ اور نفع کے لئے لکھا اور اسکی تدوین و تالیف میں اپنی پوری ہمت و کوشش صرف کر دی۔ اب اسے کسی اور کے نام معنون کر دوں اور صرف اس بات پر فخر کروں کہ ایک بادشاہ کی چشم کرم مجھ پر آ پڑی۔ نہیں میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ جب مجاہد کو اس بات کی خبر پہنچی تو بجائے غم و غصہ سے لال پیرا ہونے کے، اس نے ابو غالب کی بڑی تعریف کی اور بغیر کوئی شرط لگائے اس انعام کو دوگنا کر دیا (۷)۔

اس ”عصر الملوک“ کی مثال اور نظیر تاریخ انسانی میں ملنی مشکل ہے، یہ دور ہر قسم کے علم و فن کے اعتبار سے سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا۔ اس مختصر سے پُراضطراب زمانے میں اتنے زیادہ، اعلیٰ پائے کے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے جن کا شمار ممکن نہیں۔ اس عہد میں شعر و شاعری ادباء کی محفلوں اور امراء کے عالیشان محلات کی چار دیواری سے نکل کر صناعتوں اور عام پیشہ وروں کی دوکانوں، کسانوں کے کھیتوں اور محنت مزدوری کرنے والے عام انسانوں کی جھونپڑیوں میں پہنچ گئی۔ ملک کے ان عام اور

متوسط طبقے کے انسانوں میں سے تقریباً ہر شخص بہترین قسم کی نظم تخلیق کر سکتا تھا۔ قزوینی نے بیان کیا ہے کہ :

„اہل شلب سب کے سب ، شعر کو خوب جانچ سکتے تھے اور اس پر بڑی اچھی طرح تنقید کر سکتے تھے۔ اگر تم کسی کھیت میں چلے جاؤ اور وہاں کسان سے باتیں کرو ، تم اس سے کوئی شعر پوچھو یا شاعری کے متعلق کسی قسم کا سوال کرو تو وہ تمہیں فی البدیہہ اور ارتجالاً ہر موضوع کے بارے میں شعر ہی میں جواب دے گا۔“ - (۸)

جنس لطیف بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ اس ضمن میں اکیلی ولادہ بنت المستکفی باللہ کا نام لینا ہی کافی ہو گا۔ ولادہ دولت بنی عباد کے علم و ادب کی سربراہ تھی (۹)۔

اس زمانے میں اگرچہ ایسے مواقع بھی آئے کہ مختلف عناصر ایک دوسرے کو نیست و نابود کر دینے کے بری طرح در پے رہے لیکن یہ دلچسپ رجحان بھی واضح تھا کہ مختلف انسانوں اور ثقافتوں میں ہم آہنگی اور ربط پیدا کیا جائے۔ دولت عبادیہ کا اس سلسلے میں مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں اتنے بہترین صاحب علم و کمال ، اعلیٰ درجے کے صاحب فن شعراء و ادباء جمع ہو گئے تھے کہ کہیں اور موجود نہ تھے۔ یہ سب کے سب ، اصحاب المعانی الدقیقة و الخیال الرقیق و الالفاظ العذبة تھے۔ ان میں سے عبد الجبار بن حمدیس الصقلی، ابوبکر بن زیدون، ابوبکر بن الباز (رائی المعتمد) عبد الجلیل بن وہبون اور الوزير البانس ابوبکر ابن عمار کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے آقا مدوح امیر المعتمد عبادی کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے، جس نے اپنے زمانہ قید و بند کے وہ قصائد اور حزنیہ نظمیں ہمارے سپرد کیں جو اس کے غمزدہ

مضطرب دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلی ہوئی ہیں۔ وہ دل جو کبھی کسی کے سامنے خشوع و خضوع اور عاجزی سے متعارف نہیں ہوا۔ جس نے کبھی مصائب و آلام دنیوی کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے اور ان سے کسی صورت ہار نہیں مانی، وہ کہتا ہے اور کتنی سچی باتیں اسکی زبان سے نکلتی ہیں :-

قالوا الخضوع سياسة

فلیبد منک لهم خضوع

والذ من طعم الخضوع

ع علی فمی السم النقیع

ما سرت قط الی القتا

ل وکان من املی الرجوع

شیم العلی انا منهم

والاصل تتبع الفروع (۱۰)

عصر الملوک کے ان درباروں اور محلات کے پورے پورے حالات لکھنا بڑا دشوار ہے۔ اتنا ہی بتانا کافی ہے کہ المقتدر اور المؤمن من بنی ہود خود فلسفی علماء تھے۔ المؤمن فنون ریاضیہ میں بھی بڑا ماہر اور قابل تھا۔ اس فن میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں۔ وہ فلسفہ، نجوم اور حساب کی اشاعت و ترویج کا بڑا دھنی تھا۔ بنو ہود کے زیر سایہ بہت سے فلاسفہ مثلاً ابن جبرون اور ابن باجہ پرورش پا رہے تھے۔ انھیں کے زیر سایہ الطرطوشی مؤلف سراج الملوک (۳۳۱ - ۵۳۶ ہ) نے زندگی بسر کی۔

بنو ذی النون بھی انصار علم و ادب میں سے تھے۔ ان کے دربار میں باکمال علماء و فضلاء کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ مثلاً ابراہیم بن یحییٰ النقاش المعروف بہ ابن الزرقینال کواکب و نجوم کا بڑا ماہر اور



شناسا تھا۔ محمد بن بصال صاحب،، کتاب الفلاحہ،، وقاش النحوی، احمد بن مغيث، احمد الصدنی یعنی ابو جعفر صاحب کتاب المقنع بھی اس دربار کے خوشہ چینوں میں سے تھے۔

بطلیوس بھی ادب و ثقافت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں بنوافطس کا دور دورہ تھا۔ مظفر بن افطس خود بھی تمام اقسام ادب و فن کا ماہر تھا۔ اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اسکو ادبیات خصوصاً شعر و شاعری سے اتنی گہری رغبت اور وابستگی تھی کہ وہ کہا کرتا تھا۔،، جس کے اشعار المتنبی اور المعرّی کے ہم پایہ نہ ہوں وہ خاموش بیٹھا رہے،، (۱۱)۔

اس زمانے میں بطلیوس علم و ادب اور شعر و انشاء کا مرکز تھا اور مظفر فصحاء و بلغاء کا کعبہ مقصود تھا۔ القلاعد میں فتح نے اسکی یہی تعریفات گنوائی ہیں۔ اسی دربار میں ابن عبدالبر القرطبی مشہور فقیہ و محدث تشریف فرما ہوتے تھے، الوزیر ابن عبدون نے بھی اپنے مشہور قصیدے میں بنو افطس کا ذکر کیا ہے۔ اس قصیدے کا تذکرہ ابن خطیب نے اعمال الاعلام میں کیا ہے۔ اور اسکی بہت تعریف کی ہے۔ یہ قصیدہ اس اعتبار سے بڑا اہم اور ممتاز ہے کہ اسمیں بطور موعظت و عبرت ان بڑے بڑے مصائب و آلام تاریخیہ کا ذکر موجود ہے جو دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں اور بادشاہوں کو پیش آئے اور جن کی وجہ سے اکثر ان کے تاج و تخت تک چھن گئے۔ ان واقعات و حادثات میں انسان کو صبر و تسکین کا سبق دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب سے تاریخ کا ظہور ہوا ہے انسانیت انہیں غموں اور انہی تکلیفوں میں مبتلا چلی آ رہی ہے۔ اس زمانے کے أمّ العواصم قرطبہ کے سب سے زیادہ قابل فخر و مباحات شخص ابن حزم تھے۔ صاعد الاندلسی ان کے بارے میں لکھتا

ہے۔ ،، وہ اہل اندلس میں سب سے زیادہ جامع شخص ہے وہ تمام علوم اسلامیہ کا ماہر ہے۔ علم بیان ، بلاغت ، شعر ، سیر و اخبار اور منطق و فلسفہ میں اسکی معلومات کا دائرہ تمام علماء سے زیادہ ہے۔ خود اس کے لڑکے نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے پاس اپنے باپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تقریباً چار سو کتابیں موجود ہیں۔ ،، ایک یورپی مؤرخ ان کے بارے میں لکھتا ہے : ،، ابن حزم اپنی تصنیف الملل والنحل ، کی بدولت یورپ پر کئی صدیوں سے سبقت لے جا چکا ہے کیونکہ تاریخ مذاہب ، یورپ میں کہیں ۱۹ ویں صدی میں جا کر مرتب ہوئی ،، ۔

قرطبہ میں ،، ملوک الطوائف ،، کے عہد کے شعراء ، ادباء اور اصحاب فضل و کمال بے شمار ہیں۔ اس خوبصورت شہر میں بڑے بڑے مؤرخ بھی پیدا ہوئے۔ جن کی علمیت و فضیلت ایک مسلمہ امر ہے۔ ان میں سے ابو مروان ابن حیان صاحب التاريخ الكبير۔ جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی۔ بہت مشہور ہے۔

بلنسیہ اور مرسیہ کے درباروں کا تذکرہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہاں بنو طاهر اور بنو صمادح بر سراقندار تھے ، ان کے دربار وزیر ابن عباس ، ابن عبادہ ، ابن شہید ، ابن اشرف الباجی اور ابو عبد اللہ بن الحداد کی وجہ سے روشن و تابناک تھے۔ بلکہ بنو صمادح کے تقریباً تمام امراء بھی مشہور شعراء میں شمار کئے جاتے تھے ان کے دربار کے بہت سے علماء جغرافیہ میں سے ابو الحسن اللغوی ( ۳۵۸ ھ ) کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔ (۱۲)

ملوک الطوائف کے عہد حکومت میں شعر و شاعری انتہا کو پہنچ گئی۔ اندلس کے لوگ اپنے شاعروں کو اپنے لئے باعث فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ وہ شاعروں کا کلام اور حالات زندگی جمع کرتے

اور انہیں اپنے بیاض میں نقل کر لیتے تاکہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شعراء بھی اپنی اپنی عظمت و شہرت کی خاطر ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگے اسی لئے ان کا ادب نکھر گیا اور اسمیں نظافت و لطافت پیدا ہو گئی۔ ان کے کلام میں حسن و نزاکت اور فنی چاشنی ماقبل و مابعد کے زمانوں کی نسبت بوجہ کمال پائی جاتی ہے۔

اشبیلیہ میں معتضد بن عباد نے ایک شاندار محل بنوایا جس میں ہر طبقے کے شاعر جمع ہوتے اور مجالس شعر و ادب قائم ہوتیں۔ اس زمانے میں شوکت علمی و ادبی اتنی عام ہو گئی تھی کہ کوئی فقہیہ، کوئی نجومی، کوئی متکلم، کوئی فیلسوف، طبیب، ریاضی دان اور کوئی مورخ و عالم ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو اور اسکی رغبت نہ رکھتا ہو (۱۲)۔

اس عہد کی شاعری میں ایک قابل ذکر جدت ہوئی اور وہ ہے تصوف و فلسفہ کے مضامین کی کثرت۔ اس صنف شعر میں ابن العربی اور ابن سبعین زیادہ مشہور ہوئے۔ اسی زمانے میں رسائل „اخوان الصفا“ اندلس میں داخل ہوئے، اندلسی اشعار اور حکم و امثال میں ان رسائل کی بے شمار تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ دراصل مجریطی الاندلسی ہی ان کا مصنف و مؤلف تھا۔ (۱۳)

یہ بزم علم و ادب قائم رہی، تاآنکہ عربوں کو سپین سے کلیۃً ملک بدر کر دیا گیا اور ان دیار سے انکی تہذیب و ثقافت کا آفتاب غروب ہو گیا۔ عربوں کی تاریخ کا یہ باب اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ بقول (Josef Mourtee) یہ خبریں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اندلس ہی کے مسلمان تھے جنہوں نے اس نئی تہذیب و مدنیت کی بنیاد رکھی (۱۵)۔

## عہد ملوک الطوائف کے چند مشہور حکمران

ابن جہور :- ابو الحزم ، جہور بن محمد بن جہور والی قرطبہ ، اول محرم ۳۶۳ھ میں پیدا ہوا اور جمعرات ۲۳ محرم ۳۳۵ھ کو وفات پائی ، نماز جنازہ اس کے بیٹے ابو الولید محمد نے پڑھائی ۔ ابو الحزم میں بہت سی خوبیاں تھیں ۔ وہ بنفس نفیس رعایا کے جنازوں میں شرکت کرتا ، مریضوں کی تیمارداری کے لئے جاتا ۔ علماء و ادباء کی مجلسوں میں بیٹھتا ۔ وہ خود بھی بہت بڑا عالم تھا ۔ اس نے ابوبکر عباس بن ہمزانی ، ابو محمد الاصلی ، قاضی ابو عبداللہ بن مفرخ ، ابو القاسم خلف بن قاسم اور ابو یحییٰ زکریا بن الاشبح وغیرہم سے علم کی تحصیل کی ۔ اس سے ابو عبداللہ محمد بن عتاب الفقیہ نے روایت لی اور کہا :

„حدثنا ثقة من الشيوخ الاکابر یعنی ابو الحزم هذا ، (۱۶)۔

وہ بڑا مدبر اور زبردست منتظم تھا ، لوگ اس کے عہد حکومت میں بڑے آرام اور سکون کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ جو چاہتا بلا جھجک اپنی حاجت لیکر اس کے پاس جا سکتا تھا ۔ „کان مخلصا رشیدا الیہ یرجع الفضل فی استتباب الأمن ورفع المظالم“ ۔ ابن جہور دراصل بنو امیہ کے خلاف ایام فتنہ میں قرطبہ کی ایک جماعت کا سردار تھا ۔ جب لشکر نے آخری اموی خلیفہ کو تخت سے اتارا تو وہ اندلس کے ایک حصے پر قابض ہو گیا ۔ ۳۲۲ھ میں والی بنا ، وہ اہل علم کا پیروکار تھا ، (۱۷)۔

ابو الحزم ایک شریف اور معزز گھرانے کا فرد تھا ۔ اس کے آباء و اجداد دولت حکمیہ اور دولت عامریہ کے وزراء رہ چکے تھے ۔ شروع شروع میں اس نے اپنے لئے محض امیر کا لقب اختیار کیا ۔ اور سلطنت کے کاموں میں دلجمعی سے مشغول رہا ۔ یہاں تک کہ عوام کے دلوں میں اسکی محبت جانگزیں ہو گئی اور اسکی امارت پر سب نے

اتفاق کر لیا۔ اس نے بڑی شان و شوکت سے انتظام مملکت کو سنبھالی رکھا، لوگ فارغ البال ہو گئے اور قرطبہ امن و سلامتی کا گھر بن گیا۔ اس نے ۱۳ سال اور کچھ مہینے،، امارت،، کے فرائض سر انجام دیئے۔ (۱۸)

ابن جہور ابو الحزم کو شعرگوئی سے بھی رغبت تھی۔ ابن خاقان نے مطمح الانفس میں لکھا ہے :

وكان لابی الحزم ادب و وقار و حلم سارت بها الامثال واثبت من  
شعره ما هو لائق .... و وقف على قصور الامويين فقال :  
قلت يوما لدار قوم ، تفانوا

ابن سکانک العزاز علينا

فاجابت : هنا أقاموا قليلا

ثم ساروا ولست اعلم ايننا (۱۹)

ابو الحزم کے بعد اس کا بیٹا ابو الولید محمد والی ہوا۔ امور سلطنت اور انتظام دولت میں وہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اور وہی عمدہ طور طریقے اختیار کئے۔ اس نے باپ کے تمام اچھے قوانین و احکام کو برقرار رکھا۔ اس نے شوال ۳۳۳ھ میں دارفانی سے انتقال کیا۔

ابو الولید کے بعد اس کا لڑکا عبدالملک حاکم قرطبہ بنا۔ وہ پسندیدہ سیرت اور اعلیٰ کردار و اخلاق کا مالک نہیں تھا۔ اہل قرطبہ نے اسے تخت سے محروم کر دیا اور اس کے بعد المعتمد بن عباد نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔

المعتضد و المعتمد :-

بنو جہور کی حکومت کے خاتمہ پر اہل اشبیلیہ نے ابو القاسم محمد بن اسماعیل بن عباد اللخمی کو جو وہاں کا قاضی تھا اپنا امیر

منتخب کیا۔ ابو القاسم ، نعمان بن منذر ملک حیرہ کی اولاد سے تھا۔ وہ بہت عقلمند ، وسیع الصدر ، عالی ہمت، حسن تدبیر کا مالک اور بڑا مصلحت اندیش تھا۔ ابو القاسم کے دو لڑکے تھے۔ ابو الولید اور عباد جسکی کنیت ابو عمرو تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو عمرو عباد، المعتضد باللہ کے لقب سے سریر آرا سلطنت ہوا۔ ملوک الطوائف میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :-

اما المعتضد ... قد أخذ بطرف مناسب من الثقافة والتعليم الحسن .... شاعر مجید وکان محباً للادب ، شغوفاً بالفنون۔ وهو ذلك الرجل المثقف المهدب و الانسان الرقيق و الملك عظيم الشأن و كان يمتاز من الذوق و لطف الاحساس و قوة التمييز (۲۰)۔ المعتضد کے بعد المعتمد اس کا لڑکا والی ہوا۔ اس کا نام ابو القاسم محمد تھا۔ معتمد وہی حکمران ہے جس نے بنو جہور پر غلبہ پایا اور قرطبہ پر قابض ہوا۔ یہاں تک کہ امیر یوسف بن تاشفین کا ورود اندلس ہوا۔ اس نے سارے ملک کو اپنے زیر تسلط کر لیا۔ اور المعتمد کو مراکش کے ایک گاؤں اغمات میں بھیج دیا۔ یہ واقعہ سن ۳۸۸ھ کا ہے۔ اسی مقام پر اس نے بڑی غربت اور کس میرسی کی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۲۱)

المعتضد اور المعتمد دونوں ملوک الطوائف میں سب سے زیادہ وسیع علاقے اور بڑی سلطنت کے مالک تھے ، دونوں کا دبدبہ اور جاہ و حشمت بھی سب سے بڑھ کر تھی۔ یہ دونوں باپ بیٹا ، ان کی اولاد اور آباء و اجداد تقریباً سبھی اہل علم و فضل تھے اور ان کا شمار اچھے شعراء میں ہوتا تھا۔ ملوک الطوائف ( مصنفہ ڈوزی ) جسے کامل الکیلانی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے ، میں المعتضد اور معتمد کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں۔ اس کتاب میں عہد بنی عباد کے

سیاسی حالات و واقعات بھی شرح و بسط کرے ساتھ۔ بیان کترے گئے ہیں۔ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں بنو عباد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

المعتمد بن المعتضد ۱۰۴۰ء میں پیدا ہوا۔ ابھی بارہ سال کی عمر تھی کہ باپ نے اسے مختلف صوبوں کی حکومت تفویض کی۔ وہ اصحاب علم و ادب کا مربی اور خود بھی عمدہ شعر گو تھا۔ ملوک الطوائف میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :-

„كان المعتمد و وزيره مفتونين بالشعر ، فاصبح قصر اشيلية ملتقى الشعراء والفحول ، فقد كان الخليفة نقادا بارع الملاحظة دقيق الحس خصب الشاعرية وكان يتذوق الاسلوب تذوق الشاعر الصادق الشعور ، وكان رايه فيصلا في الحكم على الشعراء - فاذا ظفر الخليفة بشاعر موهوب اقبل عليه وأدناه من مجلسه و أغرقه بكرمه اغراقا « (۲۲)۔

ابن عمار :-

الوزير ابوبكر محمد بن عمار۔ اصل میں شبنوس ، جو شلب کے علاقے میں ایک گاؤں ہے کا رہنے والا تھا۔ اس کے آباء و اجداد یہیں قیام پذیر تھے۔ وہ ایک غریب گھرانے کا معمولی سا فرد تھا۔ اس کے اسلاف میں سے کوئی بھی سرکاری ملازمت حاصل نہ کر سکا۔ انہیں دربار میں کوئی رسائی نہ تھی۔ ابن عمار ابھی بچہ ہی تھا کہ شلب کے شہر میں آیا۔ یہیں بڑھا اور جوان ہوا۔ اس نے ابو الحجاج یوسف بن عیسیٰ الاعلم وغیرہ سے علم و ادب حاصل کیا۔

اس کے بعد وہ قرطبہ میں چلا آیا۔ یہاں علم و فن اور شاعری میں خوب مہارت پیدا کی اور اسی ذریعے سے قوت لایموت حاصل کرتا رہا۔ وہ امراء و رؤسا کی مدح سرائی کرتا پھرتا تھا اور اس مقصد کی خاطر اس نے اندلس کا کونا کونا چھان مارا۔

بالآخر اس کے دن پھرے اور قسمت نے یاوری کی - اور ترقی حاصل کی حتی کہ اشبیلیہ کے المعتمد علی اللہ سے اس کی شناسائی ہو گئی - المعتمد ان دنوں عالم شاہزادگی میں تھا - ابن عمار اس کی خدمت میں منہمک رہا اور اس کے خاص مصاحبین میں شمار ہونے لگا - معتمد اس پر بڑا مہربان تھا اور اسے اپنے قریب ترین احباب میں سے سمجھتا تھا - لیکن ایک ناگہانی حادثے نے ابن عمار کی زندگی کو تلف کر دیا اور آخر کار ۴۷۹ھ میں اسے قتل کرا دیا گیا - ابن عمار کا شمار اندلس کے معروف شعراء میں ہوتا ہے ، المعجب میں اس کا ذکر ان خوبصورت الفاظ میں ملتا ہے :-

الوزير ابوبكر محمد بن عمار ذوالنفس العصامية - كان احد الشعراء المجيدین علی طریقة ابی القاسم محمد بن ہانی الاندلسی و ربما كان احلی منه فی کثیر من شعره - ولشعره دیوان یدور بین ایدی اهل الاندلس ... وربما تغالی بعضهم فشبہه بأبی الطیب -

ابن عمار کے مشہور قصائد میں سے ایک وہ ہے جو اس نے اس موقع پر لکھا جب کہ المعتضد نے اسے المعتمد سے جدا کر دیا تھا - محی الدین المراكشی نے ابن عمار کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں - (۲۳)

ابن خلکان نے الوزير ابن عمار اور الوزير ابن زیدون کے بارے میں تحریر کیا ہے :

هو و ابن زیدون فرسا زهان ورضیعا لبان فی التصرف فی فنون الیوان - وهما کانا شاعرَیْ ذلک الزمان (۲۳) -

عہد ملوک الطوائف ( گیارہویں صدی عیسوی کے اندلس ) کا زعیم الشعراء ابو الولید احمد بن عبد اللہ بن احمد بن غالب - ابن زیدون تھا - جس کا تعلق عرب کے قدیم قریشی خانوادے بنو مخزوم



سے تھا۔ وہ ایک ماہر فن ادیب ، صاحب طرز شاعر اور ایک معروف و مقبول سیاسی شخصیت کا مالک تھا جسے ، ذوالوزارتین کے لقب سے نوازا گیا۔ اسکے کلام میں محاکات و تخیل اور شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ، اس کے تصورات کی دنیا بڑی حسین اور رنگین ہے ، اس کے اشعار گنگنا کر حرارتِ عشق اور رعنائی خیال میں کچھ اضافہ سا محسوس ہونے لگتا ہے ، اور اس کا حسن تغزل دل کی دھڑکنوں کو تیز کر دیتا ہے۔ وہ اپنے عہد کا سب سے بڑا شاعر اور بلند مرتبہ ادیب تھا ، ادبیات عرب میں وہ ایک بلند و بالا مقام پر فائز نظر آتا ہے ، اسے تاریخ ادب میں ،،بحتری الغرب،، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ، اسکی شاعری کا بہت سا حصہ ولادة بنت المستكفی بالله کی حسین و جمیل شخصیت کے گرد گھومتا ہے جو خود بھی قادر الکلام شاعرہ تھی۔ ابن زیدون کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کسی اور موقعہ پر ،،فکرونظر،، میں پیش کی جائے گی۔ فی الحال اس کے کچھ خوبصورت اشعار سے لطف اندوز ہو لیجئے :-

### سلام علی القرطبة

علی الثَّغَبِ الشَّهْدِي مَنِي تَحِيَّة  
 زَكْتُ ، وَعَلَى وَادِي الْعَقِيقِ سَلَام  
 وَلَا زَالِ نَوْرٍ فِي الرُّصَافَةِ ضَا حَك  
 بَارِجَائِهَا ، يَبْكِي عَلَيْهِ غَمَام  
 مَعَاهِدِ لِهَوْلَمِ تَزَلُ فِي ظَلَالِهَا  
 تُدَارُ عَلَيْنَا ، فِي الْمَجُونِ ، مَدَام  
 تَذَكَّرْتُ أَيَّامِي بِهَا فَتَبَادَرْتُ  
 دَمَوْعٌ كَمَا خَانَ الْفَرِيدُ نِظَام

قرطبة الغراء

سقى الله اطلال الاحبة بالحمى  
 وحاك عليها ثوبَ وشيٍ منمنما  
 واطلع فيها للازاهير انجما  
 فكم رفلت فيها الخرائد كالدمى  
 إذ العيشُ غَضُ والزمانُ غلامُ  
 فقلْ لزمانٍ قد تولى نعيمه  
 ورثت على مر الليالى رسومه  
 وكم رقّ فيه بالعشى نسيمه  
 ولاحت لسارى الليل فيه نجومه  
 عليك من الصب المشوق سلام

---

يا ليتَ مالكَ عندي

من الهوى لى عندك  
 فطال ليلىك بعدى  
 كطول ليلى بعدك  
 سلنى حياتى أهبتها  
 فلست أملك ردك  
 الدهر عبدي لماً  
 أصبحت فى الحبِّ عبيدك

---

انتِ معنى الضنى وسرّ الدموع  
 وسبيلُ الهوى وقصد الوُلع  
 انتِ والشمسُ ضرّتانِ ولكن  
 لك عند الغروب فضلُ الطلوع

## حواشى و حواله جات

- ١ - هسثرى آف دى عزيز ، ص ٥٢٢ -
- ٢ - الادب الاندلسى ، ص ٥٥ -
- ٣ - الادب العربى و تاريخه ، ص ٢٨ -
- ٣ - الادب الاندلسى ، ص ٥٦ -
- ٥ - تاريخ اسلام ، ص ٣٢٨ -
- ٦ - الادب الاندلسى ، ص ٦١ -
- ٦ - الادب الاندلسى ، ص ٦٢ -
- ٨ - نظرات فى تاريخ الادب الاندلسى ، ص ٢٣٥ -
- ٩ - قوافل العروبة و مواكبها ، ص ١١٢ -
- ١٠ - الادب الاندلسى ، ص ٦٣ -
- ١١ - الادب الاندلسى ، ص ٦٣ - ٦٥ -
- ١٢ - الادب الاندلسى ، ص ٦٦ - ٦٧ و بعد -
- ١٣ - الادب الاندلسى ، ص ٩٦ - ٩٢ -
- ١٣ - الادب الاندلسى ، ص ٥٤ -
- ١٥ - الادب الاندلسى ، ص ٩١ -
- ١٦ - كتاب الصلة ، ص ١٢٢ -
- ١٤ - ملوك الطوائف ، ص ١٠ ، ١١ -
- ١٨ - كتاب المعجب ، ص ٣٢ - ٣٣ -
- ١٩ - المطمع ، ص ١٣ ، ١٥ -
- ٢٠ - ملوك الطوائف ، ص ١٠١ -
- ٢١ - ملوك الطوائف ، ص ٢٣ ( حاشيه ) -
- ٢٢ - ملوك الطوائف ، ص ٢١٣ -
- ٢٣ - المعجب فى تلخيص اخبار المغرب ، ص ٢٦ - ٩٠ -
- ٢٣ - وفيات الاعيان جزء ثانى ، ص ٣٦٩ -



البتج ح خ د ذ ر ز  
ك ك ن ك ل م م  
ن ص ض ع غ ف  
ف س س ه ه و ل ل

نموذج حروف الالفباء المغربية المفردة على الترتيب المغربي

- مستخلصة من المخطوطات ، والمصاحف الاندلسية والمغربية  
القيروانية والوهرانية والقاسية والقسطنطينية والتونسية .  
« بخط المؤلف عن المخطوطات والمصاحف » .

## اندلس میں تذکرہ نگاری

طفیل ہاشمی

اندلس میں مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار (۱۰ < ۱۳۹۲ء) میں جن علمی موضوعات پر خصوصی توجہ دی ان میں تذکرہ نگاری کا فن سر فہرست ہے۔ تراجم علماء، معاجم اعلام اور فہارس کتب پر بکثرت کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اس نوع کی تالیفات کی کثرت اور شیوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندلس میں شرح تعلیم کتنی بلند اور علمی معیار کس قدر اونچا تھا کہ ایک ایک فرع علم کے مشاہیر علماء و فضلاء کے معاجم تیار کئے گئے۔ اور یہ معاجم ایسے تاریخی معلومات سے لبریز تھے جن کی ضرورت آج تک روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

اندلس میں مختلف اصناف کے معاجم مدون کئے گئے مثلاً :

۱۔ معاجم خاصہ : جو کسی ایک فرع علم یا شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے اعلام کے تراجم پر مشتمل تھے پہلے پہل اسی نوع کی کتب منصفہ شہود پر آئیں جن میں ابو عبد اللہ محمد بن الحارث الخشنی کی تاریخ قضاة قرطبہ اور ابن عبدالبر کی معجم اعلام الفقہاء کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ زہاد، صوفیاء، کتاب، محدثین اور فقہاء وغیرہ کے الگ الگ تراجم مرتب کئے گئے۔ نیز بعض خاص علاقوں میں پیدا ہونے والے علماء کے الگ الگ تذکرے مدون کئے گئے۔

۲ - تراجم عامہ : جو علم کی ہر شاخ میں تخصص رکھنے والے علماء کے تراجم پر مشتمل تھے - اس نوع میں ابو الولید عبداللہ بن محمد ابن الفرضی ، ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الحجاری ، ابو القاسم خلف بن عبدالملک ابن بشکوال ، ابو جعفر احمد بن یحییٰ الضبی ، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ ابن الابار اور ابراہیم بن علی ابن فرحون کی تصانیف نمائندہ حیثیت کی حامل ہیں -

۳ - فہارس کتب : فہارس کتب میں فہرسہ ابن خیر قابل ذکر کتاب مرتب کی گئی -

### ابو عبداللہ الخشنی

تراجم خاصہ کے معاجم کے مؤلفین میں اہم ترین شخصیت ابو عبداللہ محمد بن الحارث بن اسد الخشنی القیروانی کی ہے - اس نے قیروان میں علوم شرعیہ کی تعلیم حاصل کی - ۳۱۱ ھ / ۹۲۳ء میں اس نے اندلس کا رخ کیا اور وہاں قاسم بن اصبع اور محمد بن عبدالملک بن ایمن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اس میں اتنی مہارت بہم پہنچائی کہ ابن الفرضی لکھتا ہے :

کان حافظاً للفقہ ، عالماً بالفتیاء ، حسن القیاس (۱) -

تعلیم کی تکمیل کے بعد خلیفہ الحکم ثانی ( ۹۶۱ - ۹۷۶ء ) کی خدمت میں آیا جس نے اسے بجانہ میں والئی موارث مقرر کر دیا - الخشنی نے خلیفہ کے لئے فقہاء اور محدثین کے حالات پر متعدد کتابیں لکھیں لیکن اس کی شہرت کا باعث ،، تاریخ قضاة قرطبہ،، بنی جس میں اس نے فتح اسلامی ( ۹۱ ھ / ۱۰ء ) سے لے کر ۳۵۷ ھ / ۹۶۸ء تک قضاة کے احوال بیان کئے (۲) - الحکم ثانی کی وفات کے بعد الخشنی کی معاشی حالت بہتر نہ رہی چنانچہ ضروریات زندگی کے حصول کے لئے عطر فروشی کے کاروبار پر مجبور ہوا اور بالآخر صفر ۳۶۱ ھ / اگست ۹۷۱ء میں قرطبہ میں فوت ہوا - (۳)

الخشنی کی مذکورہ کتاب سے جو اس نے غالباً الحکم ثانی کے اشارہ پر لکھی ہو گی فتح اسلامی سے لے کر الحکم ثانی کے دور تک کی اندلس کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے مآخذ میں ایک تو وہ سرکاری دستاویزات تھیں جو دیوان الخلافہ میں محفوظ تھیں۔ دوسرے قضاة کے رجسٹر اور بعض افراد کی ذاتی یادداشتیں تھیں۔ ان کے علاوہ اس نے متعدد کتب سے بھی استفادہ کیا ہے جن کی طرف اس نے کئی مقامات پر مبہم اشارات کئے ہیں۔ نیز ان حکایات و روایات سے جو اہل قرطبہ کے مختلف طبقات میں نقل ہوتی آ رہی تھیں مثلاً قصر خلافت اور امراء و روساء کے گھروں میں اور علماء فقہا اور ادباء کے حلقہ ہائے درس و تدریس میں اور مجالس، محفلوں اور شاہراہوں پر بیان کرنے والے قصہ گو افراد سے، سیاسی اور اجتماعی نظام سے برگشتہ لوگوں سے، علماء دین اور متقی اشخاص پر تنقید کرنے والوں سے اور مقامی زبان کے واقعات کے عربی تراجم سے اس نے اپنی کتاب کے لئے مواد حاصل کیا اور اپنی طرف سے اس میں بہت کم اضافہ کیا۔ خولیان ریبرا کے مطابق الخشنی نے اپنی کتاب میں دقت نظر اور نقد اخبار کا زیادہ اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ بعض موضوع روایات بھی قبول کر لیں جس کی ایک مثال قرطبہ کے پہلے تین قضاة کا تذکرہ ہے (۳) لیکن یہ بات کتاب کے پہلے حصہ پر زیادہ صادق آتی ہے کیونکہ اس حصہ میں اس نے عصور اولی کے واقعات و حوادث بیان کئے ہیں جن کی صحت پر کھنہ کے لئے اس کے پاس کسوٹی کسوٹی نہیں تھی نتیجہً اس نے مالکی علماء اور مذاہب منحرفہ کے حاملین دونوں سے برابر روایات قبول کر لیں۔ چونکہ وہ اجنبی تھا اس لئے اس نے بعض ایسی روایات بھی بسہولت قبول کر لیں جو منحرفین نے سیاسی

اغراض کے لئے وضع کی تھیں اور اندلس کے دیگر تذکرہ نگاروں نے انہیں قبول نہیں کیا۔

الخشنی نے تذکرہ نگاری کو اس کا فطری مقام دیا اور کسی موقعہ پر بھی خوارق، غیر طبعی عوامل، دینی نزاعات اور سیاسی و قومی تعصبات کی دراندازی گوارا نہیں کی۔ الحکم ثانی کا احترام اسے ان امور کے ذکر سے باز نہیں رکھ سکا جو اموی خاندان کے لئے موجب عار تھے۔ کتاب ادبی اسلوب کی حامل نہیں ہے البتہ اسباب و وقوع حوادث کے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ الخشنی کی کتاب ہمیں عصر امارت کے قرطبہ کے دل میں پہنچا دیتی ہے جہاں واقعات اپنے حقیقی قالب میں رونما ہوتے ہیں۔ عام واقعات کا بیان اور عدم تکلف کا انداز اس دور کے اندلس کے مظاہر اجتماعی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ اس کتاب کا ایسا پہلو ہے جس کی طرف کسی دوسری کتاب میں توجہ نہیں دی گئی۔

الخشنی نے اس کتاب میں اندلس میں نظام قضاء پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ قضاة کی صفات عقلیہ و خلقیہ ان کی قومیتوں (عرب، مولدین، بربر)، ان کے مشاہروں، فیصلہ کرنے کے طریق کار اور منصب قضاء کی اہمیت و وقعت اور ان امور کا دوسرے بلاد اسلامی کے قضاة کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا (۵)۔

ابن عبدالبر

اندلس میں لکھے جانے والے قدیم ترین تراجم میں ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر النمری مولیٰ بنی امیہ (۳۶۸ - ۴۶۳ھ / ۹۷۸ - ۱۰۷۰ء) کی تالیفات ہیں اس نے فقہاء قرطبہ پر ایک کتاب لکھی جو الضبی کا ماخذ ہے (۶)۔ ابن عبدالبر نام کا ایک اور مصنف گزرا ہے لیکن اس کی نسبت کشکینانی ہے (۷)۔ یہ ۳۳۱ھ / ۹۵۲ء



میں فوت ہوا۔ اس نے „الفقهاء والقضاة لقرطبه و الاندلس“ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔

### ابن الفرضی

کتب تراجم کے حقیقی نمونے بعد کے مصنفین کے ہاں ملتے ہیں جنہوں نے اس صنف کو اپنی بہترین صلاحیتوں کا ہدف بنایا۔ ان میں سے ابو الولید عبداللہ بن محمد بن یوسف بن نصر الازدی ابن الفرضی (۳۵۱-۳۰۳ھ/۹۶۲-۱۰۱۲ء) قرطبه کا رہنے والا تھا۔ فقیہ، محدث اور خطیب تھا۔ اس نے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ اس نے حج بیت اللہ کے دوران خانہ کعبہ کا پردہ تہام کر شہادۃ فی سبیل اللہ کی دعا مانگی جو قبول ہوئی اور وہ بربر کے ہاتھوں شوال ۳۰۳ھ/۱۰۱۲ء کو قرطبه میں اس وقت شہید ہو گیا جب کہ بربر اس کے گھر میں زبردستی گھس گئے اور تمام گھر والوں کو بے رحمی سے قتل کر کے سب کچھ لوٹ لیا۔ تین روز بعد ابن الفرضی کی متعفن لاش بغیر غسل، کفن اور نماز جنازہ کے ایک ویران قبرستان میں سپرد خاک کر دی گئی (۸)۔

ابن الفرضی شاعر بھی تھا اور اس کے اشعار کا خصوصی موضوع زہد و قناعت اور دینی رجحانات تھے (۹)۔ اس نے اخبار شعراء الاندلس کے نام سے اندلس کے شعراء کے حالات پر ایک کتاب مرتب کی تھی (۱۰) لیکن اس کی شہرت کی اصل وجہ اس کی معجم اعلام ہے جو تاریخ العلماء و الرواة للعلم بالاندلس کے نام سے مشہور ہے (۱۱)۔

معاجم رجال عامہ میں یہ قدیم ترین کتاب ہے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کتاب کی تدوین میں مصنف نے انتہائی دقت و صحت کا التزام کیا ہے۔ وہ خود لکھتا ہے کہ میں نے کئی کتب تاریخ کی

مراجعت کی اور مختلف لوگوں کی قبور کی نشان دہی کرے بعد جب مجھے یقین ہو گیا تو میں نے اپنی مصدقہ معلومات اس کتاب میں درج کی ہیں۔ کئی ایک مقامات پر اس نے صراحت کی ہے کہ اسے قابل اطمینان معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

ابن الفرضی کے ایک شاگرد ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن مہلب ( م ۳۵۰ ھ / ۱۰۵۸ء ) نے ابن الفرضی کی تاریخ کا ذیل تحریر کیا جس کا نام تعلیق علی تاریخ ابن الفرضی و استلحاق رکھا (۱۱۲)۔ اور رشید الدین محمد بن ابراہیم الوطواط ( م ۶۱۸ ھ / ۱۳۱۸ء ) نے ابن الفرضی کی تاریخ شعراء الاندلس کا تکملہ „دررالغرر فی شعراء الاندلس“ کے نام سے لکھا (۱۱۳)۔

اس انداز کے معاجم رجال میں ایک اور کتاب ابو عامر محمد بن یحییٰ بن محمد خلیفہ ابن نیق الشاطبی ( ۳۵۲ - ۵۴۰ ھ / ۱۰۸۹ - ۱۱۳۲ ) کی تصنیف کتاب فی ملوک الاندلس والاعیان والشعراء بہا ہے (۱۱۴)۔

ابن ابار تکملہ میں لکھتا ہے کہ :

ابو عامر نے عربی زبان وادب اور عروض کی طرف زیادہ توجہ دی اور شعر اور نثر نگاری میں بلاغت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ابو العلاء ابن زہر کے پاس گیا اور مدت تک اس کے پاس رہ کر طب کی تعلیم حاصل کی (۱۱۵)۔

الحجاری

ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم بن وزمر الحجاری الصنهاجی (۳۹۹-۵۳۹ ھ / ۱۱۰۶ - ۱۱۵۵ء ) وادی الحجارة میں پیدا ہوا اور وہیں پروان چڑھا۔ جب وادی الحجارة پر الفونسو سادس کا قبضہ ہو گیا تو وہاں سے شلب چلا گیا پھر وہاں سے قلعہ یحصب گیا اور اس

کے والی عبدالملک بن سعید کے پاس ٹھہرا رہا پھر وہاں سے ابن ہود کے پاس جانے کے لئے روطہ روانہ ہوا اور وہاں امیر احمد بن عماد الدولة بن ہود کے زیر سایہ خاصا عرصہ رہا (۱۶)۔

الحجاری نے ان امراء کی شان میں بے شمار مدحیہ قصائد بھی کہے جن کے سایہ عاطفت میں وہ رہتا رہا لیکن اس نے تاریخ میں چھ جلدوں میں ایک کتاب „المسهب فی غرائب المغرب“ لکھی جس میں اہل مغرب و اندلس کے فضائل اور فتح اسلامی سے لے کر ۵۲۹/۱۱۳۵ء تک کے علماء و فضلا کے تراجم بمع نمونہ کلام اور تاریخی و جغرافیائی معلومات مرتب کئے۔ بنو سعید نے اسی کتاب کو آخری شکل دے کر „المغرب فی حلی المغرب“ کا نام دیا اور المقری نے نفع الطیب کی تالیف میں اس سے بھرپور استفادہ کیا (۱۷)۔

### ابن بشکوال

ابن بشکوال ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود (۳۹۳ - ۵۸۸/۱۱۰۰ - ۱۱۸۲ء) قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس نے بڑے بڑے شیوخ اور اساتذہ سے استفادہ کیا جن میں ابن رشد بھی شامل ہے۔ اور مختلف اساتذہ سے چار سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں روایت کیں۔ اس نے اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے لئے وقف کر دیا تھا۔

ابن بشکوال نے مختلف علوم میں تقریباً پچاس کتابیں تصنیف کیں جن میں اہم ترین کتاب „الصلة“ ہے جو ابن الفرضی کی تاریخ علماء الاندلس کا تکملہ ہے۔ ابن بشکوال نے اس میں اندلس کے ائمہ محدثین، فقہاء اور ادباء کے حالات قلم بند کئے۔ (۱۸)

ابن ابار اس کے بارے میں لکھتا ہے :

„معاجم تراجم میں وہ ذرۃ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اس فن میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہ تھا سب اس کی سبقت اور برتری کو

تسلیم کرتے تھے اور اس سے استفادہ کرتے تھے حتیٰ کہ ابن بشکوال نے  
استاذ ابوالعباس الحریف الزاهد نے بھی اس سے استفادہ کیا اس کی  
کتاب انتہائی مفید اور بلند قیمت ہے جس کے استعمال کے بغیر اہل  
علم کو کوئی چارہ کار نہیں ہے (۱۹)۔

ابن بشکوال نے کتاب الصلۃ کی تدوین میں ابوبکر حسن بن  
مفرج بن حماد بن الحسین المعافری ( ۳۲۸ - ۳۳۰ ہ / ۹۵۹ -  
۱۰۳۸ ہ ) کی تاریخ اندلس پر اعتماد کیا اور المعافری نے ایک  
دوسرے مصنف ابن عقیف ابو عمر احمد بن محمد ( ۳۲۸ -  
۳۲۰ ہ / ۹۵۹ - ۱۰۲۸ ) کی کتاب الاحتفال فی تاریخ اعلام الرجال  
فی اخبار الخلفاء والقضاة والفقهاء سے مواد لیا۔ ابن بشکوال نے  
مصادر میں ابو عمر بن مہدی ( م ۳۳۲ ہ / ۱۰۳۰ء ) کی معجم  
الرجال اور ابن زروقہ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم ( م ۳۳۵ / ۱۰۳۳ء  
کی دو کتابیں جو ادب و تاریخ سے متعلق تھیں اور ابن عابد ابو  
عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ( م ۳۳۹ / ۱۰۳۷ء ) کی ایک کتاب شامل ہے۔  
اس کے علاوہ ابن بشکوال نے ابن خزرج الفقیہ ابو محمد عبد اللہ  
بن اسماعیل بن محمد ( م ۳۷۸ ہ / ۱۰۸۵ء ) کی تاریخ فقہا طلیطلہ  
اور ابن مُدیر ( م ۳۹۵ ہ / ۱۱۰۱ء ) کی کتاب التاریخ اور ابو طالب  
عبدالجبار بن عبد اللہ بن احمد بن اصبح المروانی ( م ۵۱۶ / ۱۱۲۲ )  
کی عیون الامامة و نواظر السياسة سے استفادہ کیا۔

ابن بشکوال کی کتاب الصلۃ سے جو افراد رہ گئے تھے ان کے  
تذکرہ کے لئے کئی دیگر مؤلفین نے ابن بشکوال کے انداز پر کتاب  
الصلۃ کے تکملے لکھے۔ ان میں سے ابوبکر محمد بن عبد اللہ سفیان بن  
سید الہ التجیبی ( م ۵۵۸ / ۱۱۶۲ء ) نے مجموع فی رجال الاندلس  
اور یوسف بن ابی عبد اللہ بن عبد اللہ بن سعید بن ابی زید اللری جو

ابو عمر بن عیاد کے نام سے مشہور تھا طبقات الفقہاء لکھیں۔ ابن الزبیر نے ابن بشکوال کی کتاب الصلۃ کا ذیل „صلۃ الصلۃ“ کے نام سے لکھا (۲۰) اور ابو القاسم بن حبیب عبدالرحمان بن محمد بن عبداللہ الانصاری (م ۵۸۳ / ۱۱۸۸ء جو الضبی کا استاذ تھا تتمہ لکھا (۲۱)۔

### الضبی

ابو جعفر احمد بن یحییٰ بن احمد بن عامرہ (م ۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء) بلش میں پیدا ہوا۔ لورقہ میں تعلیم حاصل کی اور اندلس و افریقہ کے مختلف علاقوں کی سیاحت کے بعد طویل مدت تک مرسیہ میں رہا۔ سرعت کتابت میں امتیاز رکھتا تھا حتیٰ کہ اس نے مؤطا امام مالک ایسی ضخیم کتاب آٹھ روز میں لکھ ڈالی اس نے بغیۃ الملمس فی تاریخ رجال الاندلس (۲۲) کے نام سے ابو عبداللہ محمد بن فتوح الازدی الحمیدی (م ۳۸۸ھ / ۱۰۹۵ء) کی جذوة المقتبس (۳۳) کا تکملہ لکھا۔ الحمیدی کی اغلاط کی تصحیح کی۔ الحمیدی نے جذوة المقتبس میں ۳۳۹ / ۱۰۵۸ء تک وفات پانے والے افراد کے تراجم لکھے لیکن اس میں بہت اغلاط تھیں۔ الضبی نے اپنی کتاب میں ۵۹۱ھ / ۱۱۹۵ء تک کے افراد کے تراجم لکھے اور ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھا۔ ان افراد کا بھی ذکر کیا جو مشرق سے آ کر اندلس میں آباد ہوئے۔ الضبی کی معلومات کئی مقامات پر ابن بشکوال سے مطابقت رکھتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مصادر تاریخی بھی قابل اعتماد ہیں۔ الضبی نے اپنی کتاب کے شروع میں اندلس کی مختصر تاریخ بیان کی جس میں قاضی محمد بن علی بن حمدین اور المستنصر بن ہود کے حوالے سے جو بیانات درج کئے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔

ابو عبدالله محمد بن ابی بکر القضاعی ( ۵۹۳-۶۳۵ھ/ ۱۱۹۸ء-۱۲۳۸ء ) غالباً اندلس کا سب سے بڑا معجمی تذکرہ نگار ہے۔ ابن ابار نے ابن بشکوال کی کتاب الصلۃ کا ,,ذیل کتاب التکمله لکتاب الصلۃ ,, (۲۳) کے نام سے لکھا۔ ابن ابار اپنی کتاب کے بارے میں خود لکھتا ہے :

,,ابن بشکوال کی کتاب میں بہت کم اغلاط تھیں جن پر میں نے اپنی اس کتاب میں متنبہ کر دیا ہے اور جو چیز اس سے رہ گئی یا بھول گیا میں نے اس کا اندراج کر دیا ہے اور جو باتیں میرے نزدیک راجح تھیں ان کو بیان کر دیا ہے لیکن میں نے تمام اصحاب تراجم کا جو ابن بشکوال نے ذکر کئے ہیں استقصاء نہیں کیا۔ جیسا کہ اس نے ابن الفرضی کے ذکر کردہ تمام افراد کا تذکرہ نہیں کیا (۲۵)۔“

اس کی دوسری اہم تالیف ,,الحلۃ السیراء ,, ہے جو امراء، خلفاء، وزراء اور اعیان حکومت کے تراجم کا مجموعہ ہے جس میں ان کے نمونہ ہائے کلام بھی ہیں۔ ڈوزی اس کے بارے میں لکھتا ہے :

,,میں بالصراحت بلامبالغہ یہ کہتا ہوں کہ یہ عظیم القدر کتاب ہے جو مختلف موضوعات اور بر شمار معلومات پر مشتمل ہے اور مغرب و اندلس کی تاریخ کی حیرت انگیز تصویر کشی کرتی ہے اور بہت سی ایسی معلومات بہم پہنچاتی ہے جو کسی دوسری جگہ دست یاب نہیں ہوتیں (۲۶)“

ابن ابار نے تراجم کا ایک دوسرا معجم ,,المعجم فی اصحاب القضاى الامام ابی علی الصدق فی بن سکرہ ,, مدون کیا (۲۷) کئی مصادر ابن ابار کی دیگر متعدد کتب کا ذکر کرتے ہیں جن کی تعداد پینتالیس کے قریب ہے لیکن وہ ضائع ہو گئیں۔ جدید ناقدین کی رائے میں ابن ابار کی تالیفات حسن و خوبی کا مرقع ہیں ڈوزی لکھتا ہے :

، ابن ابار راست گو مورخ ہے۔ اس کے پاس انتہائی اہم دستاویزات تھیں جن سے اس نے اپنی تالیفات کی تدوین میں مدد لی ہے۔ مزید برآں وہ صحیح اور قومی ناقدانہ ملکہ کا حامل اور قدیم عرب اہل قلم کے سے احساسات اور اسلوب نگارش کا مالک تھا جو اس کے معاصر مصنفین میں نادر الوجود ہے (۲۸)۔

ابن ابار نے اپنی تالیفات میں جن مصنفین کی کتب سے استفادہ کیا ان کا اس نے متعدد مواضع پر تذکرہ کیا ہے :

- ۱۔ ابن حبیش ( م ۵۸۳ / ہ ۱۱۸۹ ) استجہ کا قاضی اور مشہور محدث تھا۔
  - ۲۔ عبید اللہ بن سفیان التجیبی ( م ۵۸۹ / ۱۱۹۳ء )
  - ۳۔ ابو عمر بن عیاد الکردی ( م ۶۰۲ / ہ ۱۲۰۶ ) اس نے اپنے باپ کے شیوخ کے حالات میں ایک معجم اعلام مرتب کی تھی جو کثیر الاغلاط تھی۔
  - ۴۔ احمد بن ہارون النضری ( م ۶۰۸ / ہ ۱۲۱۲ء ) شاطبہ کا رہنے والا تھا۔ ابن حبیش کا تلمیذ قوت حافظہ میں مشہور تھا۔ حدیث اور فقہ کا ماہر عالم اور زہد و ورع میں ضرب المثل تھا۔ اس نے قضاة شاطبہ و قرطبہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔
  - ۵۔ محمد بن عبدالرحمان بن علی بن محمد بن سلیمان التجیبی ( م ۶۰۹ / ہ ۱۲۱۳ء ) لقنت (مرسیہ) کا رہنے والا تھا افریقہ اور مشرق کی سیاحت کرتا رہا اس نے اپنے شیوخ کے اسماء معجمی اعتبار سے جمع کئے اور ان کے حالات قلم بند کئے۔ ابن ابار لکھتا ہے :
- ،، اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ کتاب تونس میں ۶۳۰ ہ /
- ( ۱۲۳۲ء ) میں مجھے ملی اور میں نے اس سے اخذ و اقتباس کر کے اسے تکملہ میں شامل کیا (۲۹)۔

۶۔ ابن ابار نے حوط اللہ کے دو بیٹوں ابو محمد اور ابو سلیمان سے بھی استفادہ کیا جو دونوں محدث تھے۔

۷۔ ابو العباس احمد بن عیشون اور ابوالقاسم محمد بن عامر بن فرقد جو ابن رشد اور ابن قزمان کے شاگرد تھے۔

۸۔ ابن الطلیسان ابو القاسم قاسم بن محمد الاوشی ( م ۶۳۳ ھ /

۱۲۳۵ء) نے تاریخ اور سیر الصالحین والزہاد پر متعدد کتابیں لکھیں۔

۹۔ الطراز الغرناطی ابو عبداللہ محمد بن سعید بن علی الانصاری

( م ۶۳۵ ھ / ۱۲۴۴ء) ابن ابار اس کے ترجمہ میں لکھتا ہے :

„اس نے اپنے شیوخ کے اسماء اور ان کی روایات کی فہرست

مرتب کی تھی جو مجھے تونس میں ملی اور میں نے اس سے اقتباسات

لئے “ (۳۰)۔

تراجم خاصہ

اندلس میں تراجم و فہارس کی بعض ایسی کتابیں بھی لکھی

گئیں جو کسی ایک فن کے ماہرین کے حالات یا کسی ایک علم سے

متعلق کتب کے اسماء پر مشتمل تھیں۔

احمد بن عبدالرحمان بن محمد الصقر الانصاری الخزرجی

( م ۵۵۹ ھ / ۱۱۶۳ء) مرہ کا رہنے والا تھا حافظ، محدث، فقیہ اور

علوم دینیہ کا ماہر تھا۔ غرناطہ اور اشبیلیہ میں قاضی رہا اس نے

اندلس کے صلحاء اور زہاد کے حالات پر ایک کتاب انوار الافکار

فیمن دخل جزیرة الاندلس من الزہاد والابرار لکھی (۳۱)۔

ابو عمر محمد بن ابی بکر بن یوسف بن عفیون الشاطبی

( ۵۸۳ / ۱۱۸۸ء) نے ابوالحسین بن جبیر کے اشعار کا دیوان مرتب کیا

اور صلحاء و زہاد کے حالات پر مشتمل ایک کتاب „کتاب فی اخبار

الزہاد والعبادہ“ مدون کی (۳۲)۔



ابوالقاسم بن الطیلسان ( م ۶۳۳ ھ / ۱۲۳۵ء ) نے مناقب میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں „زهر البساتین و نفعات الرياحین“ ، اہل جزیرہ کے صلحاء و عباد کے حالات میں „غرائب اخبار المنذین و مناقب آثار المهتدين“ اور تاریخ صلحاء الاندلس ( کتاب فی اخبار الصالحین بالاندلس ) اور التبيين عن مناقب من عن مناقب من عرف بقرطبه من التابعين والعلماء والصالحين شامل ہیں (۳۳)۔

ابوبکر محمد بن محمد بن الحکیم اللخمی ( م ۴۹۹ / ۱۳۳۹ء ) نے اپنی کتاب الفوائد المنتخبة والفرائد المستعذبه میں اشعار اور ادبی معلومات کے علاوہ اندلس کے صوفیاء کے حالات بھی لکھے۔ نیز اس نے ابن رشیق کی تاریخ کی تکمیل „میزان العمل“ کے نام سے کی (۳۳)۔

ابن جماعة الکنانی نے تراجم نبویہ کی معجم مرتب کی (۳۵) اور ابو عمرو بن محمد بن عیشون بن عمر بن صباح اللخمی ( م ۶۱۳ ھ / ۱۲۱۶ء ) نے کتاب کتاب الاندلسیین تالیف کی جس سے ابن ابار نے تکملہ میں استفادہ کیا (۳۶)۔ اسی انداز کو بعد میں اوغسطین ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ ابن یزید ، عاصم بن محمد اور سکن بن سعید الاخباری نے اپنایا (۳۷)۔

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی ( م ۵۳۳ / ۱۱۳۹ء ) تاریخ ، انساب العرب ، نحو ، لغت ، صرف اور حدیث کے جید عالم تھے۔ قاضی عیاض کی تالیفات میں علماء قرطبه کی تاریخ „اخبار القرطبيين“ سب سے زیادہ کی تاریخ „العیون الستة فی اخبار سبته“ اور ترتیب المدارک فی معرفة اصحاب مالک لکھی جس میں مغرب و اندلس کے فقہاء اور علماء کا تذکرہ ہے۔ المقری نے قاضی عیاض کے بارے میں ایک ادبی تاریخی موسوعہ „ازهار الرياض فی اخبار قاضی عیاض“ کے نام سے مرتب کیا (۳۸)۔ قاضی عیاض نے سیرة النبی پر

ایک مستند کتاب،، کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ،، تصنیف کی۔

ابو الخطاب بن دحیہ ( م ۶۳۳ ھ / ۱۲۳۵ء ) دانیہ میں قاضی تھا۔ بعد میں مصر چلا گیا اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ ابن دحیہ ان علماء میں سے ہے جن کے ذریعہ مشرق کے علماء مغربی علوم سے متعارف ہوئے۔ ابن دحیہ نے،، کتاب النبراس فی ذکر خلفاء بنی العباس،، تصنیف کی (۳۹)۔ جو ابن خلکان کے مآخذ میں سے ہے۔ اس نے شعراء اندلس و مغرب پر ایک کتاب،، المطرب من اشعار اهل المغرب،، تصنیف کی جس میں کسی متعین ترتیب و نسق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ کیف ما اتفق اشعار جمع کر دیئے۔ اس کی بیشتر کتب مغرب میں رہ گئی تھیں اور جو کچھ باقی بچ رہا وہ بحری قزاقوں نے لوٹ لیا۔ اس نے ایک اور عمدہ کتاب،، کتاب الاعلام المبین فی المفاضلة بین اهل صفین،، لکھی تھی (۴۰)۔

اشبیلیہ کے محدث ابو محمد قاسم بن محمد بن یوسف علم الدین البرزالی ( م ۳۸۸ ھ / ۱۳۳۷ء ) نے طبقات المحدثین لکھی۔ نیز ابن عساکر کی تاریخ دمشق کا ذیل لکھا جس میں ۳۸ / ۱۳۳۷ء تک کے حوادث قلم بند کئے اور اپنے شیوخ کے اسماء کا ایک معجم مرتب کیا (۴۱)

ابوالاصبغ عیسیٰ بن محمد المورخ ( م ۴۱۳ ھ / ۱۰۱۲ء ) نے تاریخ فقہاء البیہرہ،، لکھی تھی اسی انداز پر ابو القاسم محمد بن عبدالواحد بن ابراہیم الملاحی ( م ۶۱۸ / ۱۲۲۲ء ) نے،، تاریخ علماء البیہرہ،، مرتب کی اور علماء غرناطہ کی تاریخ لکھی نیز امام عرب و عجم کے انساب پر ایک کتاب الشجرہ کے نام سے لکھی (۴۲)۔

## فہارس کتب

فہارس کتب کی تدوین کا رجحان عربوں میں بکثرت پایا جاتا تھا۔ مرتبین فہارس کتب میں ابوبکر ابن خیر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ (م ۵۷۵/۱۱۷۹ء) اشبیلیہ کا رہنے والا تھا۔ حدیث، نحو، ادب اور اسماء کتب میں وسیع علم رکھتا تھا اس نے ایک فہرست کتب مرتب کی جس میں اس نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے احوال درج کئے ابن ابّار نے اس کے علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے اور التکمّله کی تالیف میں اس کی کتاب سے استفادہ بھی کیا ہے (۳۳)۔ اس کی کتاب فہرست ابن خیر (۳۳) مختلف علوم کی ان کتابوں کے اسماء پر مشتمل ہے جو اس نے پڑھیں اور ان اساتذہ و شیوخ کے اسماء و احوال ہیں جن سے اس نے تعلیم حاصل کی۔ یہ کتاب جغرافیائی ترتیب سے مدون کی گئی ہے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ ان کتابوں کی تعداد اور مؤلفین کے اسماء سے ہوتا ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسرے مرجع میں نہیں ہیں۔

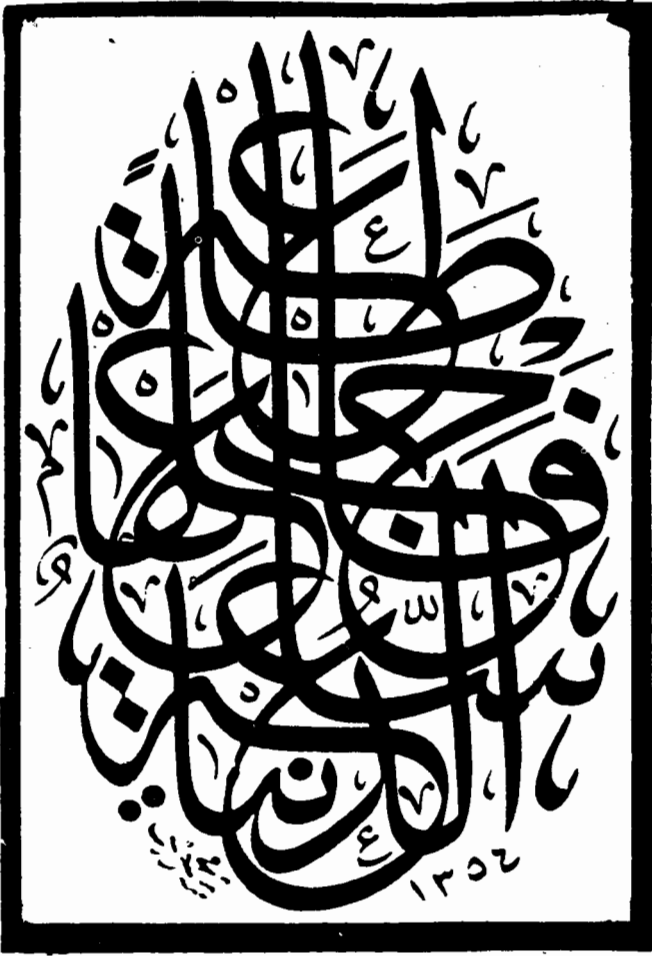
اندلس میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ یہ دور اندلس کی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ اس میں مسلمانوں نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ تذکرہ نگاری کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ ممکن ہے کہ اس کا تکوینی سبب یہ ہو کہ اندلس کے نوشتہ تقدیر میں یہ تھا کہ مسلمانوں کا وجود وہاں باقی نہ رہے چنانچہ قدرت نے اہل علم کو تذکرہ نگاری کی طرف متوجہ کر کے ان کے علمی اور تاریخی وجود کو بقائے دوام بخش دی ہے۔

## حوالہ جات

- ۱- ابن الفرضی ، تاریخ العلماء والرواة للعلم بالاندلس ، القاہرہ ۱۹۵۳ء ، نمبر ۱۳۹۸-
- ۲- خولیان ریبرا نے اسپانوی ترجمہ کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں شائع کی ۔ دوبارہ مصر سے ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی ۔
- ۳- آنخل گنشالت پالنٹیا ، تاریخ الفكر الاندلسی ( عبری ترجمہ ، جسین مونس ) القاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۲۶۷ -
- ۴- خولیان ریبرا ، مقدمہ تاریخ قضاة قرطبہ -
- ۵- تاریخ الفكر الاندلسی ، ص ۲۷۰ -
- ۶- پالنٹیا ( تاریخ الفكر الاندلسی ، ص ۲۶۷ ) نے غلطی سے یہ لکھ دیا ہے کہ ابن الفرضی نے ابن عبدالبر النمیری سے استفادہ کیا ہے حالانکہ ابن عبدالبر النمیری ابن الفرضی ( ۳۵۱ - ۴۰۳ ھ ) کا شاگرد اور زماناً متأخر ہے۔ اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ ابن الفرضی نے تاریخ علماء الاندلس کے آغاز میں لکھا ہے کہ اس نے احمد بن محمد ابن عبدالبر کی تالیف سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ یقیناً النمیری کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے۔
- ۷- کشکیان ، قنباہ قرطبہ کا ایک قریہ ہے۔ یاقوت ، معجم البلدان ، بیروت ، ج ۳ ص ۳۶۳-
- ۸- ابن خلکان ، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ، ج ۳ ص ۱۰۵ - ۱۰۶۔
- ۹- ایضاً ابن بشکوال ، المصلۃ فی تاریخ ائمة الاندلس ، القاہرہ ۱۹۵۵ء ، ص ۲۳۶ ، الضبی ، بنية الملتمس فی تاریخ رجال اهل الاندلس ، طبع ریبرا ۱۸۸۳ ، نمبر ۸۸۸ ، المقری ، نفع الطیب - بیروت ۲ : ۱۲۹ - ۱۳۱ ابن سعید ، المغرب فی حلی المغرب ، القاہرہ ۱ ، ۱۰۳ -
- ۱۰- نفع الطیب ، ۲ : ۱۲۹ ، یہ کتاب ضائع ہو گئی ۔
- ۱۱- اس کتاب کی ساتویں اور آٹھویں جلد مکتبہ عربیہ اسپانیہ میں محفوظ تھیں جہاں سے کودیرا نے ۱۸۹۱ - ۱۸۹۲ میں شائع کیں بعد میں ۱۹۵۳ء میں قاہرہ سے طبع ہوئیں ۔
- ۱۲- السیوطی بنية الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة ، القاہرہ ۱۳۲۶ ، ص ۹-
- ۱۳- ابن ابار ، التکملة ، ۱۹۵ ، البغدادی ، ایضاح المکتون ، ۱ : ۲۱۸ -
- ۱۴- ابن ابار ، المعجم فی اصحاب القاضی الامام ابی علی الصفدی ، میثرة ۱۸۸۵ - ۱۶۲ -
- ۱۵- ابن ابار ، التکملة لکتاب الصلة ، القاہرہ ۱۹۵۶ء ، ص ۳۷۹ -
- ۱۶- المقری ، نفع الطیب ، الفهارس العامة ۸ : ۲۷ کی مدد سے مواضع متعدده پر الحجاری کا تذکرہ ہے۔
- ۱۷- ملاحظہ ہو شوقی ضیف ، مقدمہ المغرب فی حلی المغرب ، القاہرہ ، نفع الطیب ، الفهارس العامة ۸ : ۲۷ -
- ۱۸- ابن خلکان ۲ : ۲۳۰ - ۲۳۱ ، ابن فرحون ، الدبیاج المذهب ، القاہرہ ۱۳۲۹ ، ۱۱۳ -
- ۱۹- ابن ابار ، التکملة ، ۳۰۳ -
- ۲۰- لیفی بروفنسٹال نے ۱۹۳۸ء میں شائع کی ۔
- ۲۱- الفكر الاندلسی ، ۲۷۶ -
- ۲۲- کودیرا اور ریبرا نے ۱۸۸۵ء میں شائع کی ہے

- ۲۲ - حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ( ص ۱۲۹۲ء ) میں لکھا ہے کہ الحمیدی نے ابن حیان ( م ۳۲۹/۱۰۰ ) کی تصنیف المقتبس کی تلخیص لکھی ہے لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ الحمیدی کی کتاب معجم ايجدی کے اعتبار سے علماء اندلس کے حالات پر ہے جو المقتبس سے مختلف انداز کی کتاب ہے۔ الحمیدی نے یہ کتاب بغداد میں اپنی اقامت کے دوران لکھی جہاں اسے اساسی مراجع میسر نہ تھے جس کی وجہ سے تراجم رجال اور تحدید تواریخ میں بکثرت اغلاط پائی جاتی ہیں۔
- ۲۳ - نشر الثقافة الاسلامیه ، القاہرہ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔
- ۲۵ - ابن ابار ، التکملہ ، مقدمۃ الكتاب -
- ۲۶ - بحوالہ تاریخ الفکر الاندلسی ، ۲۷۹ -
- ۲۷ - کو دیرا نے ۱۸۸۳ء میں شائع کی ہے۔
- ۲۸ - بحوالہ تاریخ الفکر الاندلسی ، ۲۷۹ -
- ۲۹ - ابن ابار ، التکملہ ، نمبر ۹۱۹ -
- ۳۰ - ایضاً ، نمبر ۱۰۳۲ -
- ۳۱ - ابن الخطیب ، الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ، مصر ۱۲۷۵ ، ۱ : ۶۷ - ۷۱ ، ابن فرحون ، الدبیاج المنہب ، ۳۸ - ۵۰ -
- ۳۲ - ابن ابار ، التکملہ ، ۲۵۳ - ۲۵۴ -
- ۳۳ - ایضاً ۷۰۳ ، ۷۰۴ ، التنبیکی ، نیل الابتہاج بتطریز الدبیاج ، القاہرہ ۱۳۲۹ ، ۲۲۱ - ۲۲۲ -
- ۳۴ - ابن الخطیب ، الاحاطہ ، ۲ : ۱۹۵ - ۲۰۶ -
- ۳۵ - البغدادی ، ایضاح المکتون ، ۲ : ۱۵۵ ، ۱۵۸ -
- ۳۶ - اخبار غرناطہ ، ۲ : ۱۹۵ - ۲۰۶ -
- ۳۷ - تاریخ الفکر الاندلسی ، ۲۸۲ -
- ۳۸ - مطبوعہ القاہرہ ۱۹۳۹ - ۱۹۳۲ -
- ۳۹ - بغداد سے ۱۹۳۹ میں شائع ہوئی -
- ۴۰ - ابن خلکان ، ۱ : ۳۸۲ - ۳۸۳ ، نفع الطیب ، ۶ : ۲۵۸ - ۲۷۷ -
- ۴۱ - الذہبی ، تذکرۃ الحفاظ ، ۳ : ۲۰۸ ابن العماد ، شذرات النہب ، ۵ : ۱۸۲ -
- ۴۲ - ابن ابار ، التکملہ ۳۲۳ - ۳۲۵ ، التنبیکی ، ۲۲۲۸ -
- ۴۳ - ایضاً ، ۲۳۰ - ۲۳۲ -
- ۴۴ - کو دیرا اور ریرا نے ۱۸۹۵ء میں شائع کی ہے۔





- نموذج كتابة زخرفية بخط ثلثي جلي ،  
نصها : «الدنيا ساعة فاجعلها طاعة» .  
كتبها الخطاط محمود يازر سنة ١٣٥٤ هـ  
توفى سنة ١٣٧٢ هـ .